ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

ذوالقعدہ: ۱۴۱۶ھ

اپریل: ۱۹۹۶ء

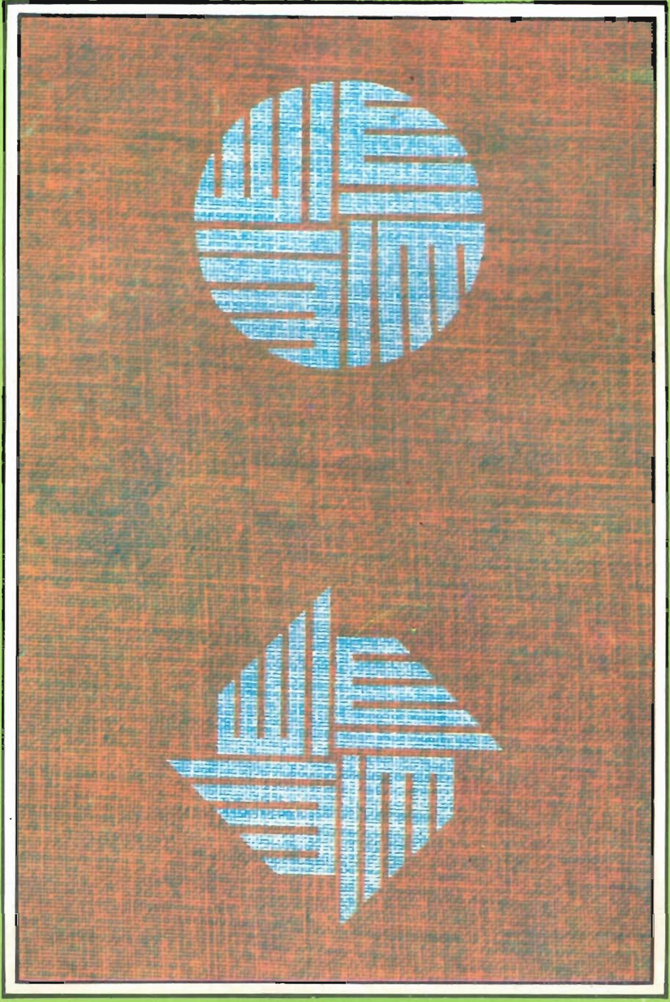

راہِ عزیمت کے راہی

"اسلام نے ہمیں یہ فلسفہ عطاء کیا ہے کہ "خون اگر بے گناہ ایک فرد کا بھی بہہ گیا ہے تو وہ بغیر رنگ لائے نہیں رہ سکتا۔" چہ جائیکہ مسلمان کا خون! حضرت امیر شریعت فرمایا کرتے تھے کہ "محمد ﷺ کی ختم نبوت یوں ہی نہیں آئی. صحابہؓ کی لاشوں کا فرش بچھا ہے" میں نے اس میں اضافہ کیا کہ "ان کے اوپر سے محمد علیہ السلام کی ختم نبوت کی سواری گزری ہے۔ تب دین ہم تک پہنچا ہے۔" یاد رکھئیے! جس وقت آپ دین کی حفاظت کے لئے اٹھیں گے تو خون بہانا لازمی ہے۔ اس کے بغیر دین کی حفاظت نہیں ہوگی۔ بلکہ کوئی بھی نظریہ ہو اس کی تبلیغ و ترویج کے لئے لازماً رکھنی پڑے گی۔ تبلیغ دین اور اظہار حق کی راہ میں ہمیشہ پھولوں کے ہار ہی نہیں بلکہ کانٹوں کے تاج بھی آیا کرتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے وجود کو بکھیر دیا کہ ہم ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹ جائیں اور ہم بکھرتے ہیں تو بکھر جائیں۔ ہمارا نام و نشان نہ رہے۔ لیکن محمد ﷺ کی نبوت کا نشان باقی رہنا چاہیئے۔ یعنی ہماری زندگی کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ دین اور اس کے لئے ہے وہ اس کے مالک کی طرف سے قربانی کے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا بلکہ اللہ پیدا کیا کرتا ہوں۔ حضرت اس لئے کہتے تھے کہ

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اڑا دے
تیرے نام پر مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے

آج اکثر صحابہ کرامؓ کی قبریں بھی نہیں ہیں۔ قبریں اور نشان بھی باقی نہیں، لیکن افریقہ کے کنارے سے لے کر ولاڈی واسٹک کی بندرگاہ تک پوری دنیا کے لفنگے، دہریے اور بدمعاش اکٹھے ہو جائیں، صحابہؓ کی جوتی کا نشان بھی نہیں مٹا سکیں گے۔ اللہ نے صحابہؓ کو اس لئے پیدا کیا کہ قیامت تک نبی علیہ السلام کی ختم نبوت کا جھنڈا سر بلند رہے۔ اس دین کا وجود باقی رہے۔ قرآن و حدیث کا قانون باقی رہے۔ اجماع امت باقی رہے۔ سنت کا حقیقی تشخص اور اس کا تسلسل باقی رہے۔

جس دین کے لئے صحابہ کا خون غازۂ رخِ دین بنا ہے۔ ان کے سروں کی قطاریں ختم نبوت کے لئے برجیوں کا کام دے گئیں اور ان کی پسلیوں سے "قصر ختم نبوت" کی دیواروں کی تعمیر ہوئی ہے وہ قیامت تک باقی رہے گا۔" ان شاء اللہ

اقتباسِ خطاب

جانشینِ امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری قدس سرہ

چنیوٹ۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۸۶ء

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۷۵۵

ذوالقعدہ ۱۴۱۶ھ ، اپریل ۱۹۹۶ء ، جلد ۷ ، شمارہ ۴ قیمت /۱۲ روپے

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہٗ

مجلسِ ادارت

رئیس التحریر: سید عطاء المحسن بخاری

مدیر مسئول: سید محمد کفیل بخاری

رُفقاءِ فکر

مولانا محمد عبدالحق مدظلہٗ
حکیم محمود احمد ظفر مدظلہٗ
ذوالکفل بخاری ۰ قمر الحسنین
شمس الاسلام ہادی ۰ ابوسفیان تائب
محمد عمر فاروق ۰ عبداللطیف خالد
خادم حسین سید خالد مسعود

زرِ تعاون سالانہ

اندرونِ ملک /۱۲۰ روپے ◎ بیرونِ ملک /۱۰۰۰ روپے پاکستانی

رابطہ

دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان۔ فون: ۵۱۱۹۶۱

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ (شعبۂ تبلیغ) مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری، طابع: تشکیل احمد اختر، مطبع: تشکیل نو پرنٹرز، مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم ملتان

آئینہ

دل کی بات:	اداریہ	مدیر	۳
	جنت شداد	شاھد ابن طالب	۵
قلم برداشتہ:	دیتے ہیں دھوکا یہ دانش ور کھلا	سید عطاء المحسن بخاری	٦
سیرت صحابہ:	سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر عبد المعید	۸
ردِ مرزائیت:	تحریک تحفظ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء	جناب بشیر احمد/ڈاکٹر سبطین لکھنوی	۱۲
نقدونظر:	ٹی وی کلچر اور یورپین اہلِ فکر	ڈاکٹر فاروق سلیمی	۲۱
طنزومزاح:	زبان میری ہے بات انکی	ساغر اقبالی	۲۴
یادرفتگان:	امام اہل سنت مولانا مفتی محمد اسحٰق سندیلوی	شمشاد حسین فاکر	۲٦
" " "	" " " " " " " " " " " " " " "	عتیق الرحمٰن سنبھلی	۳٦
جلسۂ عام:	سپریم کورٹ کے شریعت بنیچ کا خاتمہ	مجیب الرحمٰن شامی	۳۹
اخبار الاحرار:	شہداء ختمِ نبوت کانفرنس ربوہ	محمد مغیرہ	۴۱
" " "	شہداء ختمِ نبوت کانفرنس لاہور	احمد معاویہ	۴۴
دریدہ دہن:	سرکاری ادبی مجلہ "ماہِ نو" میں قادیانیت کی تبلیغ	ادارہ	۴۷
ماضی کے جھروکے سے:	شاہ جی اور علامہ انور صابری مرحوم	حفیظ رضا پسروری	۴۸
شاعری:	حمد:	حافظ لدھیانوی	۵۰
" "	شاہ جی یاد آتے ہیں	شورش کاشمیریؒ	۵۱
" "	بیم ورجاء	ڈاکٹر تاثیر مرحوم	۵۲
" "	وقت کی آواز (نظم)	حضرت سید ابو معاویہ ابو ذر بخاریؒ	۵۳
" "	لفظوں کی کھیتی باڑی (نظم)	حبیب الرحمٰن بٹالوی	۵۵
" "	زندگی (نظم)	پروفیسر محمد اکرام تائب	۵٦
تجزیہ:	ہنی مون	محترمہ انجمن آرا صدیقی	۵۷
ترحیم:	مسافرینِ آخرت	ادارہ	۵۸

دل کی بات

عدالتِ عظمیٰ کا تاریخی فیصلہ

گزشتہ ماہ عدالتِ عظمیٰ پاکستان کے مکمل بنچ نے ججوں کی تقرری اور تبادلوں کے طریقِ کار سے متعلق ایک آئینی درخواست پر جو تاریخی فیصلہ صادر فرمایا اس کی گونج ابھی تک سنائی دے رہی ہے۔ فیصلہ کے مطابق "ججوں کی مستقل آسامیاں موجود ہوں تو عبوری جج مقرر نہیں کیے جا سکتے لہٰذا خالی آسامیوں پر فوراً مستقل جج مقرر کیے جائیں۔ عبوری ججوں کو مستقل کیا جائے یا انہیں متعلقہ عدالت میں واپس بھیج دیا جائے۔ قائم مقام چیف جسٹس مشورہ دینے کا اہل نہیں ہے۔ ججوں کی تقرری و مستقلی کے بارے میں چیف جسٹس صاحبان سے ہی مشورہ لیا جائے۔ اس کے علاوہ کئی اہم نکات اس فیصلہ میں شامل ہیں۔

عدالتِ عظمیٰ کے اس فیصلہ سے حکومتی ایوان میں زلزلہ آگیا ہے۔ کیونکہ اس فیصلے پر عملدر آمد کی صورت میں حکومتی ہیرا پھیریوں اور بد دیانتیوں کا راستہ بند ہو گا اسی لئے حکومت نے اسے اپنے خلاف فیصلہ تصور کر کے عدالتِ عظمیٰ کے خلاف کھلی جنگ شروع کر دی ہے اور فیصلے پر عملدر آمد کی راہ میں حائل ہے۔ موجودہ اور سابقہ حکومتوں نے پاکستان میں عدلیہ کے وقار کو بری طرح مجروح کیا۔ اسی وجہ سے ملک کے عدالتی نظام سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ چکا ہے اور کرپشن میں اضافہ ہوا ہے۔ وزیرِ اعظم نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ "ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ روشن خیال جج لگائے جائیں" (جنگ ۲۵ مارچ ۹۶ء)

جن ججوں کو حکومت "روشن خیال" کہتی ہے عوام انہیں "جیالے" کا نام دیتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس تاریخ ساز فیصلہ سے قوم میں عدالتی نظام پر اعتماد بحال ہوا ہے۔ عدلیہ اور انتظامیہ کی علیحدگی سے عوام کو ظلم سے نجات ملی ہے۔ مستقل ججوں کی تقرری سے نااہل افراد کے لئے انصاف کی کرسی تک پہنچنا مشکل ہوا ہے۔ جو کسی نہ کسی طریقے سے مختلف ادوار میں اس کرسی پر براجمان رہے۔ اور انہی لوگوں کی وجہ سے عدالتی وقار بھی مجروح ہوتا رہا۔ اس وقت وزیرِ اعظم، عدالتِ عظمیٰ پر سخت برہم اور مشتعل ہیں اور عدالت ان کے طعن و تنقید کی زد میں ہے۔ یہ فیصلہ تو تاریخ کرے گی کہ کون جیتا اور کون ہارا۔ لیکن جناب چیف جسٹس آف پاکستان نے قانون کی حکمرانی اور قانون کی جیت کا سنگ بنیاد رکھ دیا ہے۔ اس بنیاد کو اکھاڑنا اب کسی کے بس کا کھیل نہیں۔ کوئی کھیلنا چاہے تو کھیل کر دیکھ لے! انشاءاللہ منہ کی کھائے گا۔

سرکاری ادبی جریدے "ماہِ نو" میں قادیانیت کی تبلیغ:

حال ہی میں وزارت اطلاعات کی سرپرستی میں شائع ہونے والے ادبی جریدے ماہنامہ "ماہِ نو" لاہور کے

جنوری / فروری ۱۹۹۶ء کے شمارے میں قادیانی پروفیسر پرویز پروازی کا ایک مضمون بعنوان "برصغیر کا بے مثال نعت گو شاعر" شائع ہوا ہے۔ حکومتی سطح پر اسلام کے بنیادی ستون عقیدہ ختم نبوت کے خلاف قادیانی عقائد کی تبلیغ و تشہیر قادیانیوں اور پیپلز پارٹی کی گٹھ جوڑ کا شاخسانہ ہے دوسرے لفظوں میں امریکی پالیسیوں کی حصہ ہے جو پاکستان میں دھیرے دھیرے رائج کی جارہی ہیں۔ جسکے نتائج ملک و قوم اور خود حکومت کے حق میں بہرحال خطرناک ثابت ہوں گے۔ مضمون مذکور میں مرزا غلام احمد قادیانی کو ایک عظیم عاشق رسول اور بے مثال نعت گو ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ جبکہ مرزا غلام احمد نے عمر بھر غیر معیاری اور ناشائستہ زبان استعمال کی اور زبان کے مسلمہ اصول و قوائد سے جہالت کا ثبوت دیا۔ آنجہانی مرزا قادیانی کی تحریر میں ادبی محاسن نام کی کوئی چیز کبھی تلاش نہیں کی جاسکے گی۔ مرزا کا اسلوب بیان ان کی جھوٹی نبوت کی طرح ان کی کور ذوقی، کور بصری اور ابلیسی الہام کا آئینہ دار ہے۔ اگر مرزا غلام قادیانی کو (معاذاللہ) عاشق رسول اور نعت گو کہنے کی اجازت دی گئی تو کل راج پال، سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے شاتمین رسول کو مفکر اسلام کے طور پر تسلیم کرانا آسان ہو جائے گا۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ماہنامہ "ماہ نو" کا مذکورہ شمارہ ضبط کیا جائے اس کے کارپردازوں اور قادیانی مضمون نگار پروفیسر پرویز پروازی کو گرفتار کیا جائے اور ان پر توہین رسالت کے جرم میں آئین کی دفعہ ۲۹۵ سی کے تحت مقدمہ چلا کر انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔

اسیرانِ سپاہِ صحابہ:

سپاہ صحابہ پاکستان کے سربراہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور جرنیل مولانا محمد اعظم طارق ایم۔این۔اے کو شاہنواز پیرزادہ کے قتل کے جھوٹے الزام میں ۲۰ نومبر ۱۹۹۵ء کو گرفتار کیا گیا اور دونوں رہنما تاحال جیل میں ہیں صورت حال یہ ہے کہ چار ماہ کی تفتیش کے باوجود ان پر کوئی الزام ثابت نہیں ہو سکا۔ اب تک انہیں نہ تو کسی عدالت میں پیش کیا گیا اور نہ ہی ان کا ریکارڈ عدالت میں لایا گیا۔ سپاہ صحابہ لاہور کے قاری سمیع اللہ جھنگوی اور قاری سیف اللہ خالد تک تینتالیس شہداء اور میلسی کے حافظ یحیٰ شہید کے نامزد قاتل کھلے عام دندنا رہے ہیں جبکہ اسی مقدمے کے ایک اور ملزم سید تسنیم نواز گردیزی کو محض اس لیے ریلیف دیا گیا کہ وہ سپیکر سید یوسف رضا گیلانی کے عزیز ہیں اور ڈیفنس لاہور کی ایک کوٹھی میں نظر بند ہیں۔ سپاہِ صحابہ کے ساتھ حکومتی رویہ صریحاً جانب داری ہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور مولانا محمد اعظم طارق کو قتل کے جھوٹے مقدمے سے بری کیا جائے۔ اور باعزت رہا کیا جائے۔

*

شاحد ابن طالب

(موعودہ "اسلامستان" کا اجمالی نقشہ)

"جنت شداد"

آئین

پھر زندہ ہوئیں کفر کی دیرینہ روایات اس دور میں ہے ننگ شریعت کی اطاعت
صد حیف کہ لوٹ آئے ہیں بیتے ہوئے لمحات رجعت کا سبق دیتی ہیں قرآن کی آیات

امریکہ کا آئین ہے بنیادِ حکومت
قانون کی ہے روح فرنگی کی ہدایات
اللہ رے یہ طرفہ تماشائے ترقی
اسلام سے بھی کرنے لگے ترک موالات

افواج

بدمست ترانوں پہ بہکتے ہوئے غازی بیگانۂ اسلام ہے ہر رکنِ عساکر!
آنکھوں میں حیاء ہے نہ نگاہوں میں مدارات برپا ہے ہر اک چھاؤں میں بزمِ خرابات

اسلام کی عظمت کے نگہدار ہیں یہ لوگ
میدانِ تعیش میں جو دیں کفر کو شہ مات

خواتین

اک ایک نفس زشتیٔ کردار کا حامل بکھری ہوئی زلفیں ہیں کہ اک موجۂ ظلمت
عصیاں کے تموج میں ہیں ڈوبے ہوئے دن رات بیباک نگاہیں ہیں کہ محشر کی علامات

اخلاق پریشاں ہیں شرافت ہے نگو نسار
ہیں پیشِ نظر نرگس و دنیا کی خرافات

عوام

انسان ہیں یا فطرتِ شیطاں کے ہیولے مذہب سے تنفر ہے شکایات کی حد تک
اخلاق سے عاری ہیں مروت سے تہی ذات بے رونق و ویراں ہیں عبادت کے مقامات

ہر فرد ہے اس ملک میں فرہاد کا ثانی
بپھرے ہوئے آتے ہیں نظر عشق کے جذبات
آباد ہیں چکلے بھی سینما بھی ہیں معمور
ہیں رقص و مئے و نغمۂ تمدن کے نشانات

قلم برداشتہ — سید عطاء المحسن بخاری

دیتے ہیں دھوکا یہ دانش ور کھلا

ہمارا معاشرہ، عجیب ملغوبہ معاشرہ ہے۔ نہ مکمل کفر، نہ مکمل اسلام۔ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو عمر بھر...... "پہلے کالج کے چکر میں، رہے صاحب کے دفتر میں"! ان کا زندگی بھر کا آذوقہ اور بھتہ سرکارِ دُم دار کے معاشِ مردار کا حصہ لدذل ہوتا ہے۔ یہ لوگ ریٹائر ہونے کے بعد ہمہ دانی کے زعمِ باطل میں مبتلا اور اظہار نادانی کی فکر و کاوش میں منہمک ہوجاتے ہیں۔اس پر طُرّہ ان کا یہ دعویٰ کہ وہ اسلام کی "روح" کو سمجھتے ہیں۔گویا انہیں تسلیم ہے کہ وہ اسلام کے "جسم" سے نا آشنا ہیں اور اسلام کے جسم کے جسدِ مُطّہر سے نا آشنائی، ان کے نزدیک کوئی جرم نہیں۔حالانکہ روحِ اسلام کو روحِ انسان میں اتارنے کے لئے نبی رحمت ﷺ نے عمرِ مبارک کے تئیس برس صرف فرمائے۔اور یہ محنت......افکار، اعمال و اقوال کے بارانِ رحمت سے ثمر آور ہوئی۔تب جا کر کہیں دین کا جسم، ماننے والوں (ایمان والوں) کے فکر و وجدان میں سما گیا اور دین کی روح ان کے نفس و قلب کی زینت بن گئی۔ورنہ گندی معاش، گندے جسم، گندی فکر اور گندی روح..... روحِ اسلام سے بھلا کیونکر آشنا ہو پاتی؟ یعنی......دین فہمی اور دین داری کے لئے پہلے پہل جسموں کو ہی پاک کرنا ہوگا۔اگر یہ ضروری نہ ہوتا تو انسانی سماعتوں میں یوں قرآن نہ انڈیلا جاتا۔اور "ایھا الناس" کے خطاب سے سماعتوں کو راغب و متوجہ نہ کیا جاتا۔انسانی روحیں، روحِ قرآن سے اس وقت تک آشنا ہو ہی نہیں سکتی جب تک ان روحوں پر سے فسق و فجور، کفر و شرک اور بدعات و خواہشات کے غلاف نوچ کر تار تار نہیں کردیئے جاتے۔اسی عمل کو "نبیوں والا عمل" کہا جاتا ہے۔تاریخ میں انبیاؑ کی دعوتی مساعی کے حال پڑھ لیجئے، آپ کو یہی حقیقت نظر آئے گی۔

ع......یہ حقیقت کہ ہے روشن صفتِ ماہ تمام!

اس کے علاوہ جو بھی نظر آتا ہے وہ سرابِ آرزو ہے۔ایسی آرزوئیں جو سراب ہی نہیں، عذاب اندر عذاب بھی ہوتی ہیں اور جن سے بچنے کی دعائیں نبیوں نے یوں مانگیں، کہ......"اے اللہ ہمیں حق کو حق کی صورت میں دکھلا اور باطل کو باطل کی صورت میں!" بقول کسے......

اے موجۂ سرابِ تمنا، ستم نہ کر
صحرا ہی سامنے ہے تو صحرا دکھائی دے

بات لمبی ہوگئی۔ذکر ان "نیشنلائزڈ" دانشوروں کا ہو رہا تھا جو سٹھیا جانے پر "پرائیویٹائز" اور "اسلامائز" ہو جاتے ہیں اور "اسلام کی روح" سے رسم و راہ پیدا کرلیتے ہیں۔تب انہیں بنیاد پرست مولوی، انقلاب کی نام لیوا مذہبی جماعتیں اور روایاتِ سلفِ صالحین سے جڑے ہوئے بہت سارے عوام بالکل اچھے نہیں لگتے۔انہیں

مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی پر مشتمل "دو جماعتی کلچر" ہی تبدیلی اور ترقی کا مظہر لگتا ہے۔

کوئی بتلائے کہ فرنگی جسم والے اور یہودی فکر والے لیگیوں اور پیپلیوں کی عوام دوستی نے گزشتہ پچاس برسوں میں کونسا اسلام برپا کیا ہے؟ یہ لوگ تو انقلاب کے لفظ سے بھی گھبرا جاتے ہیں۔ ان کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ جس پاکستان میں یہ لوگ بس رہے ہیں، اسی میں زہر گھول رہے ہیں۔ روشن خیالی کے سنگھاسن پر براجمان ہو کے آج تک ہماری حکومتوں نے جتنے بھی شیطانی ناچ ناچے ہیں، دینی طبقات نے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ ہمیشہ ان پر نفرین کہی ہے۔ اس نفرت کا نام "انقلاب" نہ سہی "کشمکش انقلاب" ضرور ہے اور روحِ امم کی حیات یہی ہے۔ یہ اتنا ہی بڑا سچ ہے جتنی یہ حقیقت کہ پاکستان کا قیام ڈرائنگ رومز میں کی جانے والی منافقانہ سیاسی گفتگوؤں کا نتیجہ ہرگز نہیں بلکہ یہ ان شہیدوں اور غازیوں کی وفاؤں، قربانیوں اور ایثار و خلوص کا نتیجہ ہے جن کا مظاہرہ مسلسل و پیہم ایک سو نوے برس سے زائد عرصے تک اسی سرزمین پر ہوا۔ وہی شہید اور غازی، جو اقتدار کا قبضہ گروپ کبھی نہیں تھے اور اب بھی نہیں ہیں۔ اور کیا ضروری ہے کہ جو لوگ اقتدار پر قابض ہوں، وہ مخلص بھی ہوں؟ وہ لوگ سازشی ایجنسیوں کے ہرکارے بھی تو ہوسکتے ہیں۔ ہمیں بھی تو بتلایا جائے کہ پیپلیوں، لیگیوں اور حلیفوں نے کونسا انقلابی کام کیا؟ کون سی انقلابی تحریک پیدا کی؟ امت کو روحِ قرآن سے آشنا کرنے والی کونسی فکر دی؟ ہاں فرنگی سانچے میں ڈھلے ہوئے ان جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور ٹوڈیوں نے تہذیبِ مغرب کو ضرور فروغ دیا۔ ان ظالموں اور سفاکوں نے طبقاتی تقسیم کو گہرا کیا، معاشی ناہمواریوں کو جنم دیا، تہذیبِ محمدی ﷺ کو قتل کیا۔ تہذیبِ محمدی کے وارثوں کو کمّی (کمیرے) کہا اور کمی بنایا، ان پر پھبتیاں کسیں، ان کی غربت کا تماشا دیکھا، مسجد کو چرچ کہا، قرآن کو پاژند اور علماً کو دورِ کعت کا امام کہا۔ لیکن خود چرچ میں جا بسے، تہذیبِ فرنگ میں غسلے گئے اور اس کی نابکار و ناہنجار گوری کے ہو کر رہ گئے کبھی "انقلاب" ان کی باہنوں میں کبھی یہ "انقلاب" کی گود میں۔

ہت تیرے نخرے میں گرم مسالہ

منہ بھی کالا ، دل بھی کالا

ہماری مذہبی جماعتوں کی شکست وریخت اور زوال کے تسلسل کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ لوگ بھی حالات سے "مجبور" ہو کر فاسقانہ ماحول سے مفاہمت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر قرآن و اسلام کی "روح" سے تو آشنائی رکھتے ہیں مگر ڈھانچے اور سانچے یہودیوں اور فرنگیوں کے اپناتے ہیں۔ پھر اس کو جدّت کہتے ہیں۔ یہی ان کی اصل بیماری اور بنیادی روگ ہے۔ یہی روگ انسانوں کے جسم صحت مند نہیں ہونے دیتا اور روحوں کو کوڑھی کر دیتا ہے۔ برائی کے خلاف عدم مزاحمت کا رویہ اسی روگ کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ حالانکہ ایک مسلمان کا وجود ہی کفر اور کفار سے مزاحمت کی علامت ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ "مسلمان" ہو ورنہ تو۔

ہیں کواکب کچھ ، نظر آتے ہیں ، کچھ

دیتے ہیں دھوکا، یہ "دانشور" کھلا

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی آخری وصیت

سیدنا ابو ایوب انصاریؓ بیعت عقبہ اور بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے آپ ہی کے مکان میں قیام پذیر ہوئے ہیں۔ ابتداءً نیچے کی منزل میں آپ ﷺ نے قیام کیا تھا اور ابو ایوبؓ اوپر رہتے تھے، ایک دن کسی طرح اوپر پانی گر گیا، تو ابو ایوبؓ نے اپنے اوڑھنے والے کپڑوں میں جذب کیا تاکہ نیچے نہ ٹپکے اور آپ کو تکلیف نہ ہو۔ پھر آں حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت اچھا نہیں لگتا کہ ہم اوپر رہیں، آپ اوپر تشریف لے چلیں۔ آں حضرت راضی ہو گئے اور اپنا سامان اوپر منتقل کرالیا۔(۱)

حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے جو لشکر روانہ کیا تھا اس میں آپ بھی تھے۔ اس غزوہ میں عبداللہ ابن عباسؓ عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت حسینؓ کے علاوہ بھی صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت شریک جہاد تھی۔ قسطنطنیہ بیک وقت باز نطینی سلطنت اور عیسائی مذہب دونوں کا اہم ترین مرکز تھا اور اس کی یہی اہمیت تھی جس کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے اس شہر پر جہاد کرنے والوں کو مغفرت کی بشارت دی تھی۔ بخاری شریف میں روایت ہے:

حضرت انسؓ کی خالہ ام حرام بنت ملحانؓ آنحضرت ﷺ کی رضاعی رشتہ دار تھیں ایک روز آپ ﷺ ان کے گھر میں دوپہر کے وقت سوئے ہوئے تھے کہ اچانک آپ ﷺ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے، حضرت ام حرامؓ نے تبسم کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

ناس من امتی عرضواعلی غزاۃ فی سبیل اللہ یرکبون ھذا البحر کا الملوک علی الاسرۃ

(خواب میں مجھے اپنی امت کے لوگ دکھائے گئے جو جہاد کے لئے سمندر کی موجوں پر اس طرح سفر کریں گے؛ جیسے تخت پر بادشاہ بیٹھے ہوں۔)

ام حرامؓ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ادع اللہ ان یجعلنی منھم

یارسول اللہ ﷺ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرما لے۔

آپ نے دعا فرمادی اور دوبارہ محو خواب ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ حضرت ام حرامؓ نے دوبارہ وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ:

اولک جیش من امتی یغذون مدینتہ قیصر مغفورلھم(۲)

(میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر (روم) کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گا اس کی مغفرت ہو گی۔)

پہلا بحری جہاد حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت معاویہؓ کی سپہ سالاری میں قبرص پر ہوا تھا، اس کے بعد جب حضرت معاویہؓ خلیفہ بنے تو اپنے بیٹے یزید کی قیادت میں قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کیا جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے مغفرت کی بشارت دی تھی۔ اس غزوہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی شرکت اور یزید کے امیر لشکر ہونے کا تذکرہ صحیح بخاری میں بھی ہے:

قال محمود بن الربیع فحد ثتہا قوم فیھم ابوایوب الانصاری صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم فی الغزوۃ التی توفی فیھا ویزید بن معاویۃ علیھم بارض الروم(۳)

(راوی محمود کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ایک مجمع میں بیان کی جس میں صحابیٔ رسول ابو ایوب انصاریؓ بھی تھے اور یہ اس مہم اور غزوہ کا ذکر ہے جس میں ابو ایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی اور یزید بن معاویہؓ اس مجمع اور لشکر کے امیر تھے اور سرزمین روم (مدینۂ قیصر..... قسطنطنیہ) پر حملہ کیا جانے والا تھا۔)

مشہور عالم ربانی مولانا محمد تقی عثمانی حافظ ابن حجر کی "اصابہ" کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

"قسطنطنیہ میں جب محاصرہ طویل ہوا تو آپ (حضرت ابوایوب انصاریؓ) بیمار ہوگئے۔ یزید آپ کی بیمار پرسی کے لئے حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا کہ کوئی خدمت بتائیے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جواب دیا کہ بس میری ایک خواہش ہے اور وہ یہ کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو میری لاش کو گھوڑے پر رکھ کر دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک لے جانا ممکن ہو لے جانا اور وہاں لے جا کر دفن کرنا۔ اس کے بعد وفات ہو گئی تو یزید نے آپ کی وصیت پر عمل کیا اور قسطنطنیہ کی دیوار کی قریب آپ کو دفن کیا"(۴)

حافظ ابن کثیر نے اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

"وکان (ابوایوب الانصاری) فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصیٰ وھو الذی صلی علیہ۔(۵)

(اور ابو ایوب انصاریؓ یزید بن معاویہؓ کے لشکر میں شامل تھے اسی (یزید) کو انہوں نے وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔) مزید لکھتے ہیں،

وقد قال الامام احمد ان یزید بن معاویۃؓ کان امیراً علی الجیش الذی غزافیہ ابوایوب فدخل علیہ عند الموت فقال لہ اذاانامت فاقرؤا علی الناس منی السلام واخبر وھم انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات ولایشرک باللہ شئیاً جعلہ اللہ فی الجنۃ ویسنطلقوا فیبعدوالی فی الارض الروم مااستطاعوا قال احمد فحدث الناس لمامات ابوایوب فاسلم الناس و انسطلقوا بجنازتہ۔(۶)

(امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ یزید بن معاویہؓ اس فوج کے سردار تھے جس میں شامل ہو کر ابوایوب انصاریؓ نے جہاد کیا تھا۔ ان کے مرنے کے وقت (یزید) ان کے پاس گئے۔ سو انھوں نے ان سے (یزید سے) فرمایا کہ میں جب مرجاؤں تو میرا اسلام لوگوں کو پہنچا دینا اور ان کو یہ بتا دینا کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے

سنا ہے کہ جو شخص مرجائے اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت نصیب کریں گے اور میرا جنازہ سرزمین روم میں جہاں تک لے جاسکو، لے جا کر دفن کر دینا۔ امام احمد نے کہا کہ جب ابوایوب انصاریؓ کی وفات ہو گئی تو یزید نے لوگوں سے آپ کی وصیت کا ذکر فرمایا۔ لوگوں نے اسے قبول کیا اور ان کے جنازہ کو لے گئے۔)

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات کے بعد جب آپ کو غازیان اسلام قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کر رہے تھے، اس وقت قیصر نے اس منظر کو دیکھ کر امیر لشکر یزید کے پاس قاصد بھیجا اور حال معلوم کرنا چاہا:

فارسل الی یزید..... ماھذا الذی اریٰ قال: صاحب نبیّنا وقد سئلنا ان نقومہ فی بلادک ونحن منفذون وصیتہ اوتلحق ارواحنا باللہ(۷)

(قیصر روم نے) یزید کے پاس (پیغام) بھیجا کہ یہ کیا کر رہے ہو جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ یزید نے جواب دیا یہ ہمارے نبی ﷺ کے صحابی کا جنازہ ہے انھوں نے تمہارے ملک میں جہاد کرنے کی خواہش کی تھی (وہ وفات پا گئے)۔ اب ہم ان کی وصیت کی تکمیل کر رہے ہیں، اگر تم مانع ہوئے تو ہم ضرور دفن کریں گے) یا اپنی جانوں کو اللہ کے حوالہ کر دیں گے۔

اس پر قیصر نے کہا:

فاذاولیت لخرجناہ الی الکلاب

(جب تم یہاں سے لوٹ جاؤ گے تو نعش کو نکال کر ہم کتوں کو دے دیں گے۔) قیصر کے یہ گستاخانہ جملے سن کر امیر لشکر یزید نے رومیوں پر سخت حملہ کیا۔

ابوالفرج اصفہانی تحریر فرماتے ہیں:

ثم کیف العسکروحمل حتی ھزم الروم فاحجرھم فی المدینۃ وضرب باب القسطنطنیۃ بعمود حدید فھشمہ حتی انخرق۔(۸)

(پھر یزید فوج کو ادھر پھیر کر (رومیوں پر) حملہ کرنے کو لے گئے یہاں تک کہ رومیوں کو منہدم کر دیا اور شہر کے اندر محصور کر دیا اور قسطنطنیہ کے دروازے پر لوہے کے گرز سے.... جو اُن کے ہاتھوں میں تھا، ضربیں لگائیں۔ (یہاں تک) کہ وہ (جگہ جگہ سے) پھٹ گیا)

پھر یزید نے قیصر سے کہا:

لئن بلغنی انہ نبش من قبرہ اومثل بہ لاانترک بارض العرب نصرانیاً الاقتلتہ ولاکنیسہ الاھد متھا

(اگر مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ ان کی (ابوایوب انصاریؓ کی) قبر کو توڑا پھوڑا گیا یا مثلہ کیا گیا تو میں ایک بھی نصرانی کو جو عرب کی سرزمین میں موجود ہو گا زندہ نہ چھوڑوں گا اور نہ کسی گرجا کو بغیر منہدم کیے رہنے دوں گا)(۹)

یزید بن معاویہؓ کے ان دھمکی آمیز کلمات سے قیصر خوف زدہ ہو گیا اور روایت میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر اس نے یقین دلادیا کہ قبر کی بے حرمتی نہ کی جائے گی بلکہ اس کی حفاظت ہو گی۔

فحینئذ حلفوالھم لدینھم لیکر من قبرہ ولیحرسنہ مااستطاعوا۔(۱۰)

(پھر تو اس کی دھمکی کے نتیجہ میں اپنے کے دین کے مطابق حلف لے لیا کہ وہ ان کی قبر کا اکرام اور دیکھ ریکھ کریں گے۔) اس کے بعد قیصر نے ابوایوب انصاریؓ کی قبر پر قبہ بنوادیا۔

انہ نبی علی قبرہ قبتہ و یسرج فیہ الی الیوم(۱۱)

اس نے (یعنی قیصر نے) ان کی (یعنی ابوایوب انصاریؓ کی) قبر پر قبہ بنوادیا۔ جہاں آج تک چراغ روشن ہوتا ہے۔

محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمان الاعظمی تحریر فرماتے ہیں:

"عیسائی قحط کے وقت آپ کے مزار کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس کی برکت سے بارش ہو جاتی تھی، آج بھی آپ کا مزار معروف ہے اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔"(۱۲)

یہ مقدس صحابی جنھیں اللہ تعالیٰ نے رحمتہ للعلمین ﷺ کی میزبانی کا شرف بخشا تھا، اپنے وطن سے ہزاروں میل دور اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام لئے ہوئے اس دیار غربت میں راہیٔ آخرت ہوئے اور زندگی کے آخری لمحوں میں بھی خواہش تھی، تو یہ کہ اس کلمہ کو لئے ہوئے دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک جاسکوں چلا جاؤں۔

دیکھا جائے تو قسطنطنیہ کے اصل فاتح آپ ہی ہیں، آپ ہی کے ذریعہ اس سرزمین پر پہلی بار اسلام کا کلمہ پہنچا اور آپ ہی کے وسیلے سے اس خاک کو ایک صحابی رسول کا مدفن بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔(۱۳)

حواشی

(۱) اعیان الحجاج، حصہ اول، ص ۵۶
(۲) بخاری، کتاب الجہاد، باب فضل من یصرع فی سبیل اللہ وباب ماقال فی قتال الروم
(۳) بخاری، جلد اول، باب صلوۃ النفل جماعتہ
(۴) جہانِ دیدہ (بحوالہ "الاصابہ" ص ۸۰۴ ج ۱)
(۵) البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۵۹
(۶) ایضاً ج ۸ ص ۵۸
(۷) العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۳
(۸) اغانی ج ۱ ص ۳۳
(۹) العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۳
(۱۰) الروض الانف ص ۲۴۶
(۱۱) العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۳
(۱۲) اعیان الحجاج، حصہ اول، ص ۵۶
(۱۳) جہانِ دیدہ، ص [illegible]

بشکریہ ماہنامہ "دارالعلوم"..... دارالعلوم دیوبند (بھارت)..... ماہ جولائی ۱۹۹۵ء

تحریر: جناب بشیر احمد ایم اے (فلیپر اسکول آف لاء اینڈ ڈپلومیسی) ترجمہ: ڈاکٹر سبطین لکھنوی

قسط اوّل

تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء

زیر نظر مضمون جناب بشیر احمد کی معرکہ آراء انگریزی تصنیف "احمدیہ موومنٹ۔ برٹش جیوز کنکشن" کے اس باب کا اردو ترجمہ ہے جو ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت سے متعلق ہے۔ جناب بشیر احمد ایک منجھے ہوئے لکھاری اور تحقیقی مزاج کے حامل ہیں۔ ان کی دو اہم کتابیں "قادیان سے اسرائیل تک" اور "بہائیت" تحقیق کی دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں ذیل کے مضمون کا ترجمہ جناب ڈاکٹر سبطین لکھنوی نے کیا ہے جو ہدیہ قارئین ہے۔ (ادارہ)

بدلتے ہوئے حالات کے مطابق قادیانیوں نے "ویٹی کن" کی طرح اپنی طاقت کی بنیاد کو "قادیان" سے "ربوہ" میں منتقل کر لیا تھا جو سرگودھا کے قریب واقع ہے۔ "ربوہ" شہر نے استعمار، اور صیہونی اسرائیل کے ساتھ مضبوط روابط کی بنا پر، ریاست در ریاست کی پوزیشن کو اختیار کر لیا تھا۔ قادیانی نظم و ضبط کی ہم آہنگی اور اس کی شیرازہ بندی پر کنٹرول کرنے کے سارے پلان "ربوہ" میں تیار ہوتے تھے۔ پاکستان کی ایڈمنسٹریشن میں جو قادیانی اثر و رسوخ سرایت کر چکا تھا۔ اس اثر و رسوخ کے طور و اطوار کچھ اس قسم کے تھے کہ پاکستان کی کسی بھی حکومت کو یہ توفیق نصیب نہ ہو سکی کہ وہ قادیانی جماعت کی سیاسی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتی یا اس کی سیاسی جانچ پڑتال کرتی۔ قادیانی اپنے مذہبی عقائد کے مطابق امت مسلمہ کی صفوں میں چھید کر رہے تھے۔ اور بھولے بھالے مسلمانوں کے اذہان کا بشری کمزوریوں کے تقاضوں کی تکمیل کے نفسیاتی ہتھکنڈوں کے مطابق کافرانہ طریقوں سے استیصال کر رہے تھے۔ آزادی کے ان ابتدائی ایام میں جب پاکستان اپنی بقا اور اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ قادیانی حضرات استعمار اور نئی نئی کالونیاں بنانے والے سامراج کے خفیہ ہاتھوں کے تعاون سے نوکر شاہی، مسلح افواج، دیگر سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کی جڑوں تک گھس چکے تھے۔ یہ لوگ ان اداروں کی اکثر کلیدی اسامیوں کو حاصل کر لینے کے بعد اپنے ماتحت عملے کے افراد کو قادیانی بنا لینے کی جدوجہد میں پوری طرح مصروف کار تھے۔ قادیانیت کا یہ دھارک پرچار نہ تو اللہ اور بندے کے مابین کوئی مذہبی معاملہ تھا۔ اور قائداعظم کے پالیسی فریم ورک میں بھی اس تبلیغ کا کوئی یقینی جواز نہ دارد تھا۔ جارحانہ عزائم رکھنے والی یہ قادیانی تحریک جس کی بنیاد مذہبی وحدت کے استیصال پر قائم کی گئی تھی۔ در حقیقت "اجتماعی لامذہبی" کی ایک منظم تحریک تھی۔ سیکولرزم کے وکلاء اور روشن خیال جمہوری اقتدار نے جب اس قسم کے جارحانہ (قادیانی) عزائم کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور اس (جارحیت) کا نوٹس تک نہ لیا۔ تو قادیانی کھل کر سامنے آ گئے۔ سواد اعظم کے اندر، اپنے (قادیانی) عقائد کی تبلیغ کے لئے "لالچ" اور "خوف" کا طریق کار استعمال ہونے لگا۔ قادیانیوں نے ہر ایسی تنظیم یا شخصیت کو جو قادیانی عزائم کے خلاف کام کرتے ہوئے پائے گئے۔ انہیں شکست دینے پسپا کرنے اور انہیں سزائیں دینے کے جی بھر کر مزے لوٹے (روزنامہ مسلم اسلام آباد شمارہ ۲۷ مئی ۱۹۸۴ء) لیاقت علی خان کی وفات کے بعد، خواجہ ناظم الدین پاکستان کی وزارت عظمیٰ اور مسٹر غلام محمد ایک سابق سول سرونٹ مملکت کے گورنر جنرل کے عہدوں پر فائز ہو گئے۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے چار سال بعد اس کی سیاسی قیادت میں یہ تبدیلی ظہور پذیر ہوئی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب ملک میں سیاسی اتحاد ہم آہنگی و پیوستگی اور حقائق کے جذبات ڈوب رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ پاکستان کرب و اضطراب کی ایک علامت بن کر رہ گیا ہے۔ آئین ابھی تک تیار نہیں ہو پایا تھا۔ آئین ساز اسمبلی علاقائی اور گروہی جھگڑوں کا اکھاڑہ بن چکی تھی۔ مرکز اور صوبے باہمی ہاتھا پائی میں مصروف تھے۔ اور صوبے آپس میں دست بہ گریبان کوریائی جنگ کی گھن گرج سب کچھ لے اڑی تھی اس لئے پاکستان کی اقتصادیات پر زوال طاری تھا۔ خوراک کی قلت بھی سامنے آچکی تھی۔ برسر اقتدار مسلم لیگ نے اپنا اثر و رسوخ گم کر دیا تھا۔ خصوصاً پنجاب میں سیاست دان فضول قسم کے تنازعات اور سازشوں میں مگن تھے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین ایک تناؤ تھا۔ نفرت اور بے رغبتی نے غلبہ اور فتح حاصل کر لی تھی۔ مہاجرین کی آبادکاری میں کامیابی کے آثار کہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ کشمیر اور نہری پانی کے بھارت کے ساتھ تنازعات نے پاکستان کے دفاع پر اپنے سائے ڈال رکھے تھے (پاکستان از ڈبلی پی سنگھال صفحہ ۸۰) نئی نئی قائم ہونے والی اس مملکت خداداد پاکستان کے اندر مرزا محمود (ربوہ کا پوپ للمترجم) جو "رول" ادا کر رہا تھا۔ اس نے عوام کے اندر بے چینی اور بے اطمینانی کا غلبہ مسلط کر رکھا تھا۔ اندر ہی اندر پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کر دینے والے سامراجی کھیل سے قادیانی حضرات استعمار کی شہ پر کھیل رہے تھے۔ پاکستانی عوام اس امپیریلسٹ گیم سے خبردار ہو چکے تھے۔ کشمیر اور بلوچستان میں قادیانی سازشیں، پنڈی کیس میں قادیانیوں کا ملوث ہونا، یہ سب کارنامے مستقبل میں قادیانیت کے سیاسی عزائم سے آگاہ ہونے کے لئے کافی تھے۔ لیاقت علی خان نے قادیانیوں کے خفیہ عزائم کو بھانپ لیا تھا۔ اور مرحوم اپنے ایک (قادیانی) وزیر کو تاش کے پتے کی طرح نکال باہر پھینکنے کا قدم اٹھانے ہی والے تھے۔ اس لئے یہ یقین کیا جا رہا تھا کہ لیاقت علی خان کے قتل کے ذمہ دار قادیانی ہیں۔ انگریز کے ایک نمک حلال نوکر ہونے کے ناطے سے اس کی خارجہ پالیسی کی بنا پر، عوام ظفراللہ خان قادیانی سے نفرت کرتے تھے۔ جب مسلم لیگ باؤنڈری کمیشن کے سامنے ظفراللہ خان قادیانی کو مسلم لیگ نے بطور وکیل پیش کیا تھا تو اس نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا تھا۔ کشمیر کے مقدمے میں بھی اقوام متحدہ میں پہنچ کر وہ مسلمانوں کو جل دے گیا تھا۔ ظفراللہ خان قادیانی کی اقوام متحدہ میں فضول قسم کی فصاحت و بلاغت اضطراب اور پریشانیوں کے سوا کشمیری مسلمانوں کو اور کچھ نہ دے سکی۔ مسئلہ کشمیر سرے سے تعطل کا شکار ہو کر رہ گیا۔

تحریک ختم نبوت کی اٹھان

اینٹی قادیانی تحریک نے ۱۹۴۸ء کے وسط ہی میں ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی اور ۱۹۵۳ء میں (بہ ظاہر للمترجم) اس تحریک کا اختتام ہو گیا تھا۔ مرزا محمود (ربوہ کے پوپ) نے قیام پاکستان کے ایک سال بعد مغربی پاکستان کے اندر، عوامی رابطے کی ایک مہم شروع کر دی تھی۔ کوئٹہ پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا ایک پیروکار، قادیانی العقیدہ فوجی آفیسر قتل ہو گیا ہے (کتاب تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱۲ صفحہ ۳۲۱) کوئٹہ کی مسلم ریلوے ایمپلائیز تنظیم نے ایک عوامی جلسہ منعقد کیا تھا۔ علماء دین نے اس جلسے میں "مسئلہ ختم نبوت" کو اپنا موضوع سخن بنایا تھا۔ میجر محمود قادیانی دھیرے دھیرے لیکن مشکوک حالت میں جلسے کے عقب میں اپنے قدم بڑھا رہا تھا کہ منتظمین جلسہ چوکنے ہو گئے۔ اور فرار ہو جانے سے پہلے ہی میجر محمود قادیانی پکڑ لئے گئے۔ گرفت میں آتے ہی جوزخم

اسے پہنچے تھے ان زخموں کی تاب نہ لا کر میجر محمود قادیانی نے دم توڑ دیا تھا۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد ہر مکتب فکر کے علماء دین نے "ربوہ" کے خلاف ایک تحریک شروع کر دی ان سب کا حقیقی موضوع خطابت یہ ہوتا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی ایک برطانوی ایجنٹ تھا۔ جسے انگریز بہادر نے وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کر دینے کے لئے پیدا کیا تھا پاکستان کی اسلامی حکومت میں قادیانیوں کی حرکات و سکنات پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔ مرزا محمود قادیانی نے تقسیم سے قبل اپنے پیروکاروں سے کہا تھا کہ "پاکستان نہیں بن رہا۔ ایسی حکومت اگر قائم کر بھی لی گئی تو احمدی (قادیانی) اس تقسیم شدہ ملک کو اکھنڈ بھارت بنانے کی دوبارہ جدوجہد کریں گے"۔ علماء دین کہتے تھے کہ ظفر اللہ قادیانی ملک کا غدار ہے۔ اس غدار کو اپنے منصب سے ہٹا دیا جائے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور انہیں ملک کی کلیدی اسامیوں سے برطرف کر دیا جائے۔ تحریک ختم نبوت کے زعماء مجلس احرار اسلام کے لیڈر تھے۔ تقسیم سے پہلے یہ ایک سیاسی جماعت بھی تھی۔ لیکن ۱۲ جنوری ۱۹۴۹ء کو اس نے اپنی دفاع کانفرنس میں اس فیصلے کا اعلان کیا تھا کہ "احرار کی تمام سرگرمیاں ایک مذہبی گروپ کی حیثیت سے قائم رہیں گی۔ سیاسی سرگرمیوں کو ترک کر دیا جائے گا۔ البتہ مجلس احرار اسلام کے کارکن مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کریں گے احرار لیڈروں نے اپنے مطالبات کو منظور کرانے کے لئے ۱۹۵۰ء کے اوائل میں اپنی تبلیغی کانفرنسیں شروع کر دیں۔ قادیانیوں نے اس عوامی اضطراب کی طرف بہت کم توجہ دی۔ اکثر معاملات ایک تند و تیز دھارے کا رخ اختیار کر چکے تھے۔ احرار مبلغین پر حملے ہوئے۔ ان کے جلسوں کو درہم برہم کر دیا گیا۔ اس سب کچھ کے باوجود پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں مجلس احرار اسلام کے جلسے منعقد ہو کر رہے۔ پنجاب میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات ۱۹۵۱ء میں ہوئے۔ جس میں مسلم لیگ کو اچھی خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن مسلم لیگ نے مجلس احرار کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے علی الرغم کچھ احمدیوں (قادیانیوں) کو بھی مسلم لیگ کے امیدوار نامزد کر دیا۔ مسلم لیگ کے یہ نامزد قادیانی امیدوار سارے کے سارے مات ہو کر رہ گئے (پالیٹکس ان پاکستان تصنیف کے عزیز صفحہ ۱۶۲)

مجلس احرار نے اس پر یوم تشکر منایا۔ کراچی کی جماعت احمدیہ (قادیانیہ) نے ۱۷، ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو اپنی جماعت کے ایک عوامی جلسے کا اعلان کر دیا۔ جس کے سب سے اہم خطیب سر ظفر اللہ قادیانی تھے۔ خواجہ ناظم الدین نے اس جلسے سے چند روز قبل ایک فرقہ وارانہ عوامی جلسے میں چودھری ظفر اللہ قادیانی کی شرکت کے عزائم پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ چودھری نے خواجہ صاحب کو جواب دیا کہ موصوف (قادیانی) انجمن سے اس جلسے میں شرکت کا وعدہ کر چکے ہیں۔ اگر اس وعدے سے پہلے انہیں ہدایت کر دی جاتی تو وہ اس (قادیانی) جلسے میں شرکت سے احتراز کرتے۔ لیکن اب ان کا یہ فرض بن جاتا ہے کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق اس (قادیانی) جلسے سے خطاب کریں۔ اگر وزیر اعظم ان کے خطاب نہ کرنے پر مصر ہوں تو وہ (ظفر اللہ خان قادیانی) اپنا استعفیٰ پیش کر سکتے ہیں (منیر رپورٹ صفحہ ۷۵) مذکورہ بالا قادیانی جلسے میں کی گئی اپنی تقریر میں ظفر اللہ خان (قادیانی) نے "احمدیت" (یعنی قادیانیت) کو ایک ایسے پودے کا نام دیا جسے اللہ تعالیٰ نے خود لگایا ہو۔ اور کہا کہ اس (قادیانی نام نہاد) اسلام کو تحفظ فراہم کرنے کی ضمانت کا ذکر خود قرآن مجید میں (نعوذ باللہ) موجود ہے۔ یہ (قادیانی) پودا اب جڑ پکڑ چکا ہے۔ اگر اس پودے کو اکھاڑ دیا گیا تو "اسلام" زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔ بلکہ ایک خشک درخت کی مانند بن کر رہ جائے گا۔ ایسا خشک مذہب جس کے اندر دیگر مذاہب کے مقابلے میں کوئی عظمت باقی نہیں رہے گی (منیر

رپورٹ۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱۵ صفحہ ۱۲۳) کراچی اور پنجاب میں مطالبات شروع ہوگئے۔ قومی پریس نے اس واقعہ پر ملے جلے رد عمل کا اظہار کیا (التبلیغ ربوہ شمارہ ۲۱ جون ۱۹۵۲ء) اس کے باوجود تبلیغ کی سخت فطرت نے قادیانیوں کے خلاف سخت آزردگی پیدا کر دی تھی۔ اس سے اینٹی قادیانی تحریک کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ظفراللہ خان قادیانی کی اس تقریر کے بعد کراچی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد ہوئی جس میں چار مطالبات منظور کئے گئے۔

۱۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ سر ظفراللہ خان قادیانی کو اس کے منصب سے ہٹا دیا جائے۔

۳۔ احمدیوں (قادیانیوں) کو جملہ کلیدی مناصب سے برطرف کر دیا جائے۔

۴۔ مذکورہ بالامقاصد کے حصول کو کامیاب بنانے کے لئے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کا اجلاس طلب کیا جائے۔

مجلس عمل کا قیام

مولانا سید سلیمان ندوی علیہ رحمتہ نے کانفرنس کی صدارت فرمائی۔ آپ ہی کی صدارت میں آئندہ کنونشن طلب کرنے کے لئے ایک بورڈ بھی تشکیل دیا گیا۔ جانی پہچانی ایک کونسل بھی مقرر کر دی گئی۔ مذکورہ بالا بورڈ ان علماء دین کے سینئر ارکان پر مشتمل تھا جو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کو ہدایات دینے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ جولائی ۱۹۵۲ء کی تدابیر کو عمل میں لانے کے لئے ایسے علماء دین کی مجلس عمل تشکیل دی گئی جو ان مطالبات کو درست اور تسلی بخش طریقے سے منظور کرانے کے تحفظ کے ضامن تھے۔ جو قادیانی مسئلے کی نزاکت کو واضح کرنے کی اہلیت بھی رکھتے تھے۔ ایک احرار راہنما قاضی احسان احمد علیہ الرحمتہ شجاع آبادی نے مطالعہ کرنے کے لئے قادیانی لٹریچر خواجہ ناظم الدین کے سامنے رکھ دیا۔ اس لٹریچر کو پڑھتے ہی خواجہ صاحب ہیبت زدہ ہو کر رہ گئے (منیر رپورٹ صفحہ ۱۷۵)

علماء دین کے مذکورہ مطالبات سے حکومت متفق تھی۔ خواجہ ناظم الدین کے رویے کا تجزیہ مسٹر بنڈر (Binder) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"اگرچہ خواجہ ناظم الدین آہستہ آہستہ یا تدریجاً اس امر سے اتفاق کرنے لگے تھے کہ احمدی (قادیانی) ملحد، اور کافر ہیں۔ اور اس پر بھی وہ متفق تھے کہ وہ (قادیانی) مسلمان نہیں ہیں۔ لیکن دستوری اور آئینی لحاظ سے قادیانیوں کو دین سے خارج کر دینے کی سوچ پر خواجہ ناظم الدین پس و پیش میں مبتلا تھے۔ دوسری طرف سے بھی انہیں قائل کر لیا گیا تھا کہ حکومت کو احمدی (قادیانی) مسئلے پر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیئے۔ تاہم خواجہ صاحب علماء دین کے دل کو ٹھیس بھی نہیں پہنچانا چاہتے تھے۔ اسی بنا پر صاحب موصوف نے اکابر علماء کو اپنے گھر پر مدعو کیا۔ جہاں قادیانی مسئلے پر ان علماء کے ساتھ ایک طویل بحث و مباحثہ ہوا۔ خواجہ ناظم الدین چاہتے یہ تھے کہ قادیانی مسئلے کو چھوڑ کر دیگر مسائل پر علماء کرام مراعات حاصل کر لیں۔ خواجہ صاحب نے کراچی اور لاہور کے علماء کے مابین پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ علماء کی دو تنظیموں کے اختلافات کا استعمال کیا۔ اسی طرح اسلامی تعلیماتی بورڈ اور انتہاء پسند علماء کے

مابین بھی دراڑیں ڈالنے کی مساعی جاری رہی اس پورے نزاعی دور میں روزنامہ "ڈان" نے (جو تہہ دل سے خواجہ ناظم الدین کے ساتھ مخلص تھا) علماء دین کے خلاف مغلظات کے انبار لگا دیئے۔ مخالفت کے خصوصی زاویہ نگاہ سے لیز خبروں کو پیش کرتا رہا۔ روزنامہ "ڈان" نے اپنے اکثر صفحات ماڈرن وضع قطع اور جدید نقش و نگار کے لئے وقف رکھے تھے (روزنامہ ڈان کے حسب ذیل شمارے ملاحظہ ہوں۔ گیارہ جولائی ۱۹۵۲ء ۱۵ اگست ۱۹۵۲) سات، اکیس او چوبیس ستمبر ۱۹۵۲ء)

جولائی ۱۹۵۲ء میں قادیانی جماعت کا ایک پانچ رکنی وفد جو اللہ دتہ قادیانی ایڈیٹر الفرقان ربوہ۔ عبدالرحیم درد قادیانی۔ جلال دین شمس قادیانی، شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ قادیانی اور عبدالرحمان خادم قادیانی پر مشتمل تھا سید مودودی سے ملاقات کی خاطر لاہور پہنچا۔ مولانا مودودی نے اس قادیانی وفد کو مشورہ دیا کہ قادیانی حضرات خود اپنے ہی عقائد کے فطری نتائج کے مطابق اپنے لئے غیر مسلم ہونے کی حالت کو قبول کر لیں۔ لیکن قادیانی وفد کے عزائم بہ جز اس کے اور کچھ نہ تھے کہ وہ (قادیانی) اس ملاقات کے سنگین نتائج کا استیصال کر سکیں۔ مولانا ان کے بد باطن عزائم سے آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قادیانیوں کے ساتھ صرف اس حالت میں گفتگو کرنے کو قبول کر لیا کہ ان مذاکرات کو شائع نہیں کیا جائے گا (ماہنامہ الفرقان ربوہ شمارہ نومبر ۱۹۷۰ء کتاب تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱۵ صفحہ ۲۷۴) قادیانی وفد خواجہ ناظم الدین سے بھی ملاقات کے لئے پہنچ گیا۔ اس ملاقات میں سردار عبدالرب نشتر، مشتاق احمد گورمانی اور فضل الرحمان بنگالی بھی موجود تھے۔ اس وفد نے وزیر اعظم کے سامنے عقیدہ ختم نبوت کا قادیانی نقطہ نظر اور اپنے مطالبات کے مفہوم کی وضاحت بیان کی۔ لیکن وہ وزیر اعظم کو قائل نہ کر سکے۔ نوکر شاہی کے اونچے طبقے میں قادیانی وسائل موجود تھے لہذا مجلس احرار اسلام کے خلاف قادیانیوں نے ایک طاقتور مہم شروع کر دی اور اپنی پوری توانیاں اس پراپیگنڈے پر صرف کر دی تھیں کہ مجلس احرار اسلام کا ماضی مشکوک اور قابل گرفت ہے۔ احراری پاکستان دشمن اور کانگرس کا حامی عنصر ہیں۔ اینٹی قادیانی تحریک ایک سیاسی سٹنٹ یا ایک سیاسی کرتب ہے۔ جس کا اصل مقصد محض اضطراب کو جنم دینا اور برّ اعظم کی تقسیم کو نیست و نابود کر دینا ہے اس کے برعکس اپنی اس پراپیگنڈہ مہم میں قادیانی حضرات خود اپنے آپ کو پاکستان کے ایک حامی گروپ کی شکل میں پیش کرتے رہے۔ اور یہ دعویٰ بھی کرتے رہے کہ تحریک آزادی میں انہوں نے حصہ لیا تھا۔ کانگرس اور برطانیہ کے ساتھ جنگ لڑنے میں وہ برابر کے شریک تھے (الفرقان ربوہ مطابق فروری مارچ اپریل ۱۹۵۳ء) پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ جیسے اہم مسئلہ کے بارے میں قادیانی اس یقین میں مبتلا تھے کہ جن حالات نے اس وقت پاکستان پر غلبہ حاصل کر رکھا ہے ان (مغلوب) حالات میں اسلامی دستور کو نافذ کرنا انتہائی مشکل ہو گا۔ ارد گرد کے حالات اسلامی دستور کے لئے سازگار نہیں ہیں۔ اسلامی دستور کے لئے علماء دین کی طرف سے ابھی تک بنیادی کام کی ابتدا تک نہیں ہو پائی ہے (الفرقان ربوہ شمارہ اکتوبر ۱۹۵۳ء)

مرزا محمود مجلس احرار اسلام کے خلاف اپنے بیان کے الفاظ بغیر ڈکار لیئے ہضم کر گئے

مرزا محمود (قادیانی) نے تحریک ختم نبوت کو سبوتاژ کرنے کی خاطر لندن کے اخبار ڈیلی "میل" کو اپنے انٹرویو میں واضح طور پر بتایا۔

"مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ موجودہ "اینٹی قادیانی ایجی ٹیشن" میں بھارت کا خفیہ ہاتھ پشت پناہی کر رہا ہے۔

اس نے کہا اس کے پاس اصل ثبوت موجود ہیں۔ اور مناسب وقت آنے پر حکمران طبقے کے خاص افراد کے سامنے موصوف یہ اصل ثبوت پیش کر دیں گے (ضمیمہ کتاب تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱۵) جب مرزا سے سختی سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے ذکر کردہ ثبوت کو عوام کے سامنے پیش کریں تو بجائے اس کے کہ آپ اس ثبوت کو پیش کرتے (اور وہ پیش کر سکتے ہی نہیں تھے) روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کو ان الفاظ میں ایک وضاحت ارسال کر دی۔

"آپ کے اخبار ۲۴ جولائی ۱۹۵۲ء میں میرے ایک "انٹرویو" کی رپورٹ شائع ہوئی ہے انٹرویو نگار، میاں محمد شفیع (م۔ش) ایک تجربہ کار اور ایماندار انسان ہیں۔ موصوف نے کسی نہ کسی پہلو سے میرے اس "انٹرویو" سے یہ تاثر لیا ہے کہ ہمارے (قادیانی) کے پاس مجلس احرار اسلام کے بارے میں اس کے بھارت سے زر تعاون کے حصول کا کوئی ثبوت پہلے سے موجود ہے۔ میرے کہنے کا تو مقصد یہ تھا کہ کچھ لوگوں سے مجھے یہ اطلاعات ملی ہیں کہ بارڈر کے اس پار سے مجلس احرار کو زر تعاون حاصل ہو رہا ہے۔ مذکورہ مخبروں کے پاس اس قسم کے ثبوت موجود ہیں۔ لیکن میرے پاس (یعنی مرزا محمود قادیانی کے پاس) اس کی تصدیق کے لئے کوئی استطاعت نہیں ہے۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ بھارتی پارٹیوں سے زر تعاون کے حصول کے بعض اہم سراغ چند ایک احراری کارکنوں کے بارے میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہم اس کی تحقیق اور کھوجنا کر رہے ہیں۔ مرزا محمود نے مزید کہا "اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ کسی یقینی نتیجے پر جب بھی وہ پہنچ گئے تو اس کو ذمہ دار حکمران افراد کے روبرو اپنے وقت پر پیش کر دیا جائے گا۔ بد قسمتی سے کچھ ایسا نظر آ رہا ہے کہ میں ذاتی طور پر اس مسئلے کی وضاحت نہیں کر سکوں گا۔ دو چیزیں باہم مخلوط کر دی گئی ہیں۔ (ضمیمہ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱۵)

قادیانی عزائم بے نقاب ہوتے ہیں

اینٹی قادیانی تحریک نے دھیرے دھیرے اپنی قوت اختیار میں اضافہ کر لیا۔ مطالبات جاری تھے۔ جلسے ہو رہے تھے۔ ان مقبول عام مطالبات کے حق میں پورے ملک کے اندر جلوس نکل رہے تھے۔ حکومت وقت نے ایجی ٹیشن کو روکنے کے لئے جارحانہ اور تشدد آمیز پیمانے استعمال کئے۔ لیکن ناکام رہی۔ جب مجلس عمل نے راست اقدام کو باقاعدہ ایک شکل دے دی۔ اور وزیر اعظم کے نام مطالبات کو تسلیم کر لینے کی آخری تاریخ کا نوٹس بھی جاری کر دیا گیا۔ تو دولتانہ وزارت کو پنجاب میں اچھا خاصہ دھچکا لگا۔

فٹ نوٹ نمبر ا

امریکی حلقے اور سی آئی اے کے معاون ذرائع ابلاغ پاکستان میں کسی قریب الوقوع قحط سالی کے مفروضہ بھوت کو ملک میں گندم کی قلت اور قحط سالی کی علامت کا پراپیگنڈہ کرنے پر مامور تھے۔ بھوت نما اس فرضی اندیشے سے پاکستان میں ذخیرہ اندوزی اور غذائی قیمتوں میں گرانی ابھر کر سامنے آ گئیں۔ ناامیدی کے مارے ہوئے خواجہ صاحب نے امریکہ بہادر سے غذائی امداد کی اپیل کر دی۔ اس نے تعاون کا وعدہ کیا۔ اس وعدے کے باوجود، امریکہ بہادر نے اس غذائی امداد کو اس وقت تک روکے رکھا جب تک (۱۹۵۳ء میں) خواجہ صاحب حکومت سے نکال کر باہر نہیں کر دیئے گئے۔ خواجہ صاحب کی معزولی کے ایک ہفتہ بعد امریکی حکومت نے پاکستان کو غذائی ترسیل کا اعلان کیا۔ لیکن یہ امداد بھی اس وقت موصول ہونا شروع ہوئی جب کہ پاکستان میں فصل کی کٹائی اپنے عروج پر تھی۔ اور فی الواقعہ قحط سالی کی علامت اس حقیقت سے نکل چکی تھی کہ پاکستان میں غذائی حالات مزید خراب نہیں ہوں

گئے۔ فصل کی کٹائی میں اضافہ ہوا۔ اور پاکستان امریکہ کی موعودہ غذائی امداد پہنچنے سے پہلے اپنی غذائی قلت کے بحران پر قابو پا چکا تھا۔

(The Unstable State تصنیف حسن گردیزی۔ جمیل رشید مطبوعہ Vanguard. Book stall. Lahore. صفحہ نمبر ۸۵)

مارشل لاء کا نفاذ

ختم نبوت کی اس عوامی تحریک نے مارچ کے اوائل میں بتدریج اس حد تک وسعت اختیار کر لی تھی کہ سول حکومت کو اس نے الٹا کر رکھ دیا تھا۔ لاہور شہر میں سول حکومت معذور ہو کر رہ گئی تھی۔ سر کردہ علماء دین حراست میں لے کر سارے کے سارے پس دیوار زنداں دھکیل دیئے گئے تھے۔ حراست کی یہ پوری کاروائی اس وقت عمل میں لائی گئی تھی جب پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے اپنے ایک اخباری بیان کے ذریعہ تحریک ختم نبوت کے اہم مطالبات کو فی الحقیقت تسلیم کر لیا تھا۔ یعنی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے اور ظفر اللہ خان جیسے قادیانی لیڈر کو وزارت خارجہ سے معزول کر دیا جائے۔ میاں صاحب کا یہ بیان قادیانیوں کے لئے "بم" کا ایک گولہ ثابت ہوا۔ اگرچہ جسٹس منیر نے دولتانہ صاحب کے اس بیان کو میکاولی سیاست سے تعبیر کیا تھا۔ اسی روز یعنی چھ مارچ ۱۹۵۳ء کو پنجاب میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا جو مئی ۱۹۵۳ء کے اواخر تک باقی رہا۔ تحریک ختم نبوت کو کچل دینے کی خاطر فوج کو بلا لیا گیا۔ ظفر اللہ خان قادیانی نے دعویٰ کیا کہ اس نے خواجہ ناظم الدین سے یہ کہہ دیا تھا کہ کسی بھی شکل و صورت میں ان کا استعفیٰ اگر خواجہ صاحب کے راج سنگھاسن کا مددگار ثابت ہو سکتا ہو تو وہ استعفیٰ دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن چودھری کی اس پیشکش سے خواجہ صاحب متفق نہیں تھے۔ ظفر اللہ قادیانی اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے امریکہ روانہ ہو گئے۔ وہاں انہیں خواجہ ناظم الدین کا ایک تار موصول ہوا کہ وہ ڈائریکٹ ایکشن کے متعین ایام سے قبل پاکستان واپس نہ آئیں۔ مسٹر آئی آئی چندریگر گورنر پنجاب اور وزیر اعلیٰ لاقانونیت کی بڑھتی ہوئی ابتری کا اندازہ پہلے ہی لگا چکے تھے۔ فون پر گورنر صاحب نے وزیر اعلیٰ پنجاب کو آگاہ کیا کہ لاہور شہر، خرابی اور ابتری کے اس عالم سے گزر رہا ہے کہ بہت سے عوامی اداروں پر عوام قابض ہو چکے ہیں۔ پاکستان کی مرکزی کابینہ نے سیکرٹری وزارت دفاع مسٹر اسکندر مرزا سے کہا کہ وہ فوری طور پر جنرل اعظم خاں سے رابطہ قائم کریں اور ان سے پوچھیں کہ کیا وہ لاہور شہر میں امن و امان بحال کر سکتے ہیں؟ اعظم خان نے جواب دیا کہ انہیں اس قسم کا اگر حکم دیا گیا تو وہ صرف ایک گھنٹے میں لاء اینڈ آرڈر بحال کر سکتے ہیں۔" (تحدیث نعمت از چودھری ظفر اللہ خان صفحہ ۲۸۵ سرونٹ آف گاڈ صفحہ ۱۹۹) اسکندر مرزا نے مارشل لاء کو نافذ کر دینے میں بدنامی اور رسوائی کا جو عمل سرانجام دیا۔ وہ انتہائی تعجب انگیز تھا۔ وزیر اعظم پاکستان اور ان کی مرکزی کابینہ سے منظوری لئے بغیر (جبکہ چھ مارچ ۱۹۵۳ء کو ان کا اجلاس ہو رہا تھا) اسکندر مرزا نے جنرل اعظم خان کو مارشل لاء نافذ کر دینے کا حکم جاری کر دیا۔ جب فوجی عمل شروع ہو گیا تو اس کو روکنا اور سمیٹنا انتہائی دشوار تھا۔ تحریک ختم نبوت کے دوران میں قادیانیوں نے انتہائی نفرت انگیز اور قبیح کردار ادا کیا۔ تحریک ختم نبوت کا جارحانہ انداز میں جوابی سدباب کی خاطر، ہزارہا روپے کے مصارف سے چند بددیانت اور بے ایمان صحافی، وکلاء، لادین عنصر اور نوکر شاہی کے افراد خرید کئے گئے۔ اپنے ذی اختیار ادھم مچانے والے غنڈوں کے توسط سے سامراجی طاقتیں پاکستان کی بیورو کریسی پر، اثر انداز ہو

رہی تھیں۔ غیر ملکی پریس پر قابض صیہونی اور یہودی لابیز، احمدی (قادیانی) نقطہ نظر کی چوری چوری حمایت کر رہی تھیں۔ ان لابیوں کی طرف سے قادیانیوں کے ساتھ اپنی مکمل ہمدردی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ ظفراللہ خان قادیانی نے اپنے غیر ملکی اساتذہ یا آقاؤں کے توسط سے پاکستان کی مذہبی حکومت پر دباؤ ڈالنے اور "اینٹی قادیانی تحریک" کو کچل کر رکھ دینے کے لئے اپنی پوری توانائیاں صرف کر دی تھیں۔ مارشل لاء نافذ ہو جانے کے بعد فوجی عدالتیں قائم کر دی گئیں۔ لاہور کا پورا شہر فوجی نظم و نسق کے حوالے تھا۔ بہت سے علماء دین حراست میں لے لئے گئے تھے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا عبدالستار نیازی کو چالان کر کے فوجی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں انہیں سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ مارشل لاء اتھارٹیز نے یہاں پھر اپنے اختیارات سے تجاوز کی راہ اختیار کر لی تھی کیونکہ ان کے اختیارات صرف لاء اینڈ آرڈر کی بحالی اور قیام امن تک محدود تھے۔ پوری قوم نے (مارشل لاء اتھارٹیز کے) اس عمل کا برا منایا۔ یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو ربوہ تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل مرزا ناصر احمد، مرزا شریف احمد اور آٹھ دیگر قادیانیوں کو مارشل لاء کے جاری کردہ قوانین کی خلاف ورزی کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے اسلحہ کا کھوج لگانے کی خاطر "ربوہ" شہر کی تلاشی لی (روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ مطابق ۲ اپریل ۱۹۵۳ء) مرزا محمود قادیانی نے "ربوہ" میں اسلحہ اور ہتھیار جمع نہیں کر رکھے تھے بلکہ وہ ایک علیحدہ گیم کھیل رہا تھا۔ ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء کا بریگیڈیئر اے۔ آر۔ صدیقی نے انتہائی مناسب اور موزوں تجزیہ کیا ہے۔ اور اس کے بارے میں کچھ سوالات بھی اٹھائے ہیں۔ یہ حقیقت اب کوئی راز نہیں رہی کہ اسکندر مرزا نے وزیر اعظم کے حکم کے بغیر ہی سی او سی جنرل اعظم خان کو لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دینے کا حکم دے دیا تھا۔ پھر یہ کہ ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء کو نافذ کرنے کا اصل مقصد بلاشرکت غیرے پنجاب میں لاء اینڈ آرڈر کو بحال کرنا تھا۔ اس کے باوجود یہ مارشل لاء ۱۷ مئی ۱۹۵۳ء تک قائم رہا۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ چند ایک دوسرے سیاسی اغراض و مقاصد کی کامیاب تکمیل کی خاطر کیا جا رہا تھا۔ خواجہ ناظم الدین کی وزارت عظمیٰ سے معزولی اور اس معزولی سے پیدا ہونے والی صورت حال سے نمٹنا بھی ان اغراض و مقاصد میں شامل تھا۔ مارشل لاء انتظامیہ اپنی حدود سے تجاوز کر گئی تھی۔ ذرائع ابلاغ پر قدغن نافذ تھی۔ اکثر اخبارات بند کر دیئے گئے تھے۔ اور ان کے ایڈیٹر حضرات جیلوں میں بھیج دیئے گئے تھے۔ آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ مارشل لاء نے اپنی اس دلدل کو آخر پھیلا کیوں لیا تھا؟ کردار سازی معاشرتی اور تعلیمی اصلاحات کے علاوہ صحت کے بارے میں روزمرہ کے امور کی اصلاحات بھی اس دلدل میں شامل تھیں۔ ملٹری ایکشن کے دوران میں بہت سے جونیئر افسر حضرات اپنے اختیارات کے غلط استعمال اور ناشائستہ حرکات میں ملوث پائے گئے۔ اس قسم کے آفیسرز سے یا تو آنکھیں بند کر لی گئیں بصورت دیگر سرکار دربار کی معمولی سرزنش کے بعد انہیں بچا لیا گیا۔

سید مودودی اور مولانا عبدالستار خان نیازی کی سزائے موت کا فیصلہ مارشل لاء اختیارات کے دائرہ کار سے باہر تھا۔ یہ فیصلہ ایک ایسا قابل ملامت فعل تھا جو وزیر اعظم پاکستان کی برگشتگی، بے زاری، پوری قوم کی مکمل بدحواسی اور کسی جائز قانونی اتھارٹی کے بغیر کیا گیا تھا۔ فوج نے پہلی دفعہ سول حکمرانی کا میٹھا ذائقہ چکھ لیا تھا۔ اسے اس امر سے آگاہی ہو گئی تھی کہ قومی معرکہ آرائی کے دوران میں "فوج" کو کیا اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ قوم کے

سیاسی معاملات میں آرمی کو مناسب کردار ادا کرنے کی آرزو بھی فوج کے اندر پیدا ہو چکی تھی۔ (اخبار دی نیشن لاہور شمارہ ۲۶ ستمبر ۱۹۸۷ء)

میجر جنرل احیاء الدین جیسے کٹر قادیانی العقیدہ افسر کا فیضان نظر بھی اس دور کی مارشل لاء انتظامیہ کے اندر کارفرما تھا۔ یہ قادیانی چیف آف اسٹاف کھلی ننگی طاقت استعمال کر کے "تحریک ختم نبوت" کو کچل دینا چاہتے تھے۔ خاص طور پہ ان افراد کو جنہیں تحریک ختم نبوت کے دوران میں ملٹری ایکشن کی خاطر لاہور کی مسجد وزیر خاں میں بند کر دیا گیا تھا۔ قادیانی چیف آف اسٹاف صاحب ان محروسین کا بالکل صفایا کر دینے کے آرزو مند تھے۔ لیکن اس اندیشے کی بنا پر کہ اس منصوبے پر عمل پیرا ہونے کے نتیجے میں ایک وسیع و عریض رد عمل کے پھیل جانے کا خوف تھا اس لئے جنرل احیاء الدین قادیانی کے اس منصوبے کو روک دیا گیا تھا۔ قومی معاملات کے بارے میں جنرل احیاء الدین قادیانی انتہائی تنگ نظر اور متعصب تھے۔ پاکستان کے قومی معاملات میں قادیانی موصوف کا تعلق بس اتنا ہی تھا کہ احمدیہ (یعنی قادیانی) کمیونٹی کو ہر قیمت پر تحفظ ملنا چاہئیے (ایک جرنیل کی سرگزشت از میجر جنرل امراؤ خان سن ۱۹۹۲ء)

دفتر احرار لاہور میں

جناب حافظ احمد معاویہ کی تعیناتی

دفتر مجلس احرار اسلام لاہور میں نوجوان احرار کارکن

❖ جناب حافظ احمد معاویہ کو بطور ناظم تعینات کر دیا گیا ہے۔

❖

❖ احباب جماعتی امور کے سلسلہ میں ان سے رابطہ رکھیں۔

دفتر مجلس احرار اسلام لاہور۔ ۶۹ سلطان احمد روڈ اچھرہ۔ فون : 7560450

ٹی وی کلچر اور یورپین اہل فکر

وطنِ عزیز آجکل جرائم کی شدید یلغار میں ہے۔ خصوصاً ڈاکہ زنی اور خواتین و بچوں سے درندگی روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ اس کی اگرچہ کئی وجوہات ہیں، لیکن سب سے بڑا سبب ٹی وی پر عریانی و فحاشی کا پرچار ہے۔ بدقسمتی سے ٹی وی کے سارے چینلوں پر ایسے ڈرامے اور فلمیں دکھائی جاتی ہیں جن سے ایک طرف نوجوانوں کے جنسی جذبات مشتعل ہوتے ہیں اور دوسری جانب انہیں دہشت گردی، قانون شکنی، بلکہ ڈاکہ زنی کی ترغیب ملتی ہے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ امریکہ کے ایک ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ جب ایک نوجوان عریاں مناظر پر مبنی کوئی فلم دیکھتا ہے تو وہ اس وقت تک بے قرار رہتا ہے جب تک اسے عملی صورت نہیں دے لیتا۔ چنانچہ اخبارات میں "گینگ ریپ" کی جو خبریں تواتر سے چھپ رہی ہیں اس کا بنیادی سبب عریاں ویڈیو فلموں کی بھرمار اور بھارتی و امریکی ٹی وی چینلوں پر جنسی مناظر پر مشتمل ڈراموں کی کثرت ہے۔

یہ حقیقت بے حد تشویش ناک ہے کہ خصوصاً دیہات اور چھوٹے قصبوں میں نوعمر لڑکے بھی مشترکہ چندہ کر کے جمعرات کی شب وی سی آر کرایہ پر لاتے اور ہندوستانی فلمیں دیکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ دیہات میں کسی غریب کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہیں رہی حتیٰ کہ نوعمر خوبصورت لڑکوں کی آبرو اور زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے اور اخبارات میں اس نوع کی خبریں چھپ چکی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ صورت حال کی نزاکت کا احساس کیا جائے اور قومی اخلاق و کردار کی حفاظت کی فکر کی جائے۔ اربابِ اختیار کی اطلاع کے لئے ٹی وی کی ہلاکت آفرینیوں سے امریکہ اور یورپ کے انسانیت نواز دانشور بھی پریشان ہوگئے ہیں۔ چونکہ ہمارا حکمران طبقہ یورپ کی آراء ہی کو مستند اور معتبر سمجھتا ہے، اس لئے ذیل میں ٹی وی کے اثرات کے حوالے سے مختلف ماہرینِ نفسیات اور سائنس دانوں کے نتائجِ فکر پیش کئے جا رہے ہیں۔ خدا کرے یہ آراء ان کے دلوں پر دستک دے سکیں اور وہ وطنِ عزیز کی آئندہ نسلوں کو تباہی اور زوال کے اندھیروں میں غرق ہونے سے بچا سکیں۔ لیجئے مختلف سائنس دانوں کی مستند آراء ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔　ہاورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر رابرٹ پٹنام نے اپنی کتاب "تنہا انسان" میں لکھا ہے۔

"جس ٹیکنالوجی نے انسان کو ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے۔ ان میں ٹیلی ویژن سرفہرست ہے اور اگر اسے وی سی آر اور کیبل سے منسلک کر دیا جائے تو یہ اور بھی خطرناک صورت اختیار کر جاتا ہے۔ الیکٹرونک ٹیکنالوجی سے ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق مزا لیتا ہے لیکن اس کی قیمت اسے چکانا پڑتی ہے جب وہ اپنے دوستوں عزیزوں حتیٰ کہ اہلِ خانہ کا حال چال پوچھنے کی بجائے صرف "ہیلو" پر اکتفا کرتا ہے۔ ایک

امریکی ہر ہفتے اوسطاً اٹھائیس گھنٹے ٹی وی دیکھتا ہے۔ اور ٹی وی نے ہمیں اپنی ہی نظروں سے گرا دیا ہے۔ ٹی وی پر ہم شاندار قابلِ رشک زندگی دیکھتے ہیں، اشتہارات ہمیں ایک نئی دنیا کی خبر دیتے ہیں۔ ٹی وی کی اس گلیمرس لائف کا مقابلہ جب ہم اپنی زندگیوں سے کرتے ہیں تو خود کو بہت کمتر محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ انسان اپنی زندگی سے غیر مطمئن ہو کر ڈیپریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ ۱۹۵۰ء میں امریکہ کے بہت سے شہروں میں جب ٹیلی ویژن کی نشریات شروع ہوئیں تو چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں اچانک بڑھ گئیں۔" جنگ لاہور، ۲۹ ستمبر ۱۹۹۵ء

۲۔ ایک اور امریکی مصنف جارج ولیمز نے اپنی کتاب "ہم بیمار کیوں پڑتے ہیں؟ میں لوگوں کی نفسیاتی بیماریوں کا بنیادی سبب ٹی وی اور اس قسم کے دوسرے میڈیا کو قرار دیا ہے جو ہمیں ایسے خواب دکھاتا ہے جسے کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ ٹی وی نے نہ صرف لوگوں کے وقت پر قبضہ کر لیا ہے بلکہ ان میں طبقاتی تفریق کے احساس کو ابھارا ہے اور خود نمائی و خود غرضی کو فروغ دیا ہے،

(بحوالہ جنگ جمعہ ایڈیشن ۲۹ ستمبر ۹۵ء)

۳۔ تشدد اور لڑائی جھگڑوں سے بھرپور فلمیں اور ٹی وی ڈرامے دیکھنے والے مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو کر زندگی سے محروم ہو سکتے ہیں۔ ڈیوک یونیورسٹی کے ڈاکٹر ریڈولیم کی ایک تازہ ترین تحقیق کے مطابق سکرین پر اس قسم کے مناظر دیکھنے سے بلڈ پریشر، ہارٹ اٹیک اور مدافعتی نظام میں گڑبڑ جیسی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تحقیق کے دوران ۱۸ مردوں اور ۲۲ خواتین کا سروے کیا گیا جنہیں دس روز تک ایسی فلمیں دکھائی گئیں۔ حیرت انگیز طور پر تمام افراد کا بلڈ پریشر معمول سے بڑھ چکا تھا۔ ڈاکٹر ریڈولیم کے مطابق بلڈ پریشر سے دل کو خون مہیا کرنے والی شریانیں متاثر ہوتی ہیں جس سے دل کا دورہ بھی پڑ سکتا ہے۔ اس سے جسم میں ہارمونز کی سطح بھی بلند ہو جاتی ہے جس سے مدافعتی نظام کمزور ہو جاتا ہے۔ جو سرطان جیسے خطرناک مرض کا باعث بنتا ہے۔" (روزنامہ خبریں، لاہور ۱۴ جون ۹۵ء)

۴۔ مسلسل ٹی وی دیکھنے سے انسان کی جسمانی و ذہنی صحت اور تخلیقی صلاحیتوں پر مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بھارت کے شہر پونا کے دو محققین اے جے واڈکر اور ڈاکٹر سمن جے شاہ نے چھے سے گیارہ سال کی عمر کے پانچ ہزار بچوں پر مسلسل ٹی وی دیکھنے کے مضر اثرات کا مشاہدہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مسلسل ٹی وی دیکھتے رہنے سے بچوں میں بے خوابی، چڑچڑاپن، اختلاجِ قلب اور بلڈ پریشر کے علاوہ سماجی طور پر بڑوں کا ادب و احترام بھی کم ہو جاتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کی پرواہ بھی نہیں رہتی۔ مذکورہ ڈاکٹروں نے اپنی سروے رپورٹ میں مزید لکھا ہے کہ بچوں میں زیادہ ٹی وی دیکھنے سے نسیان (بھولنے کی) بیماری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ (نوائے وقت لاہور ۲۰ جون ۹۵ء)

۵۔ امریکہ اور یورپ میں ہمہ نوع جرائم کی کثرت پر تبصرہ کرتے ہوئے بین الاقوامی شہرت کی حامل ماہر عمرانیات ڈاکٹر ڈائن رسل نے برملا کہا ہے کہ "اس صورتِ حال کا بنیادی سبب فحش رسالوں کی بہتات، مخربِ اخلاق عریاں ٹی۔ وی پروگرام، جنسی فلمیں اور خاندانی نظام کی تباہی میں مضمر ہے۔" وہ لکھتی ہیں کہ

"ریڈیو اور ٹی وی پر فحش پروگرام اور گلی کی ہر نکڑ پر بکنے والے عریاں رسالوں سے جنسی طوفان ابل رہا ہے" چنانچہ ان کے خیال میں محض قانون سازی کافی نہیں بلکہ ڈی ڈی ٹی چھڑکنے کے ساتھ ساتھ ان جوہڑوں کا پاٹنا بھی ضروری ہے (تکبیر کراچی ۷ ستمبر ۸۴ء)

۶۔ امریکی میگزین "ٹائم" کے مطابق امریکہ میں والدین، اساتذہ اور قانون دانوں نے واشنگٹن میں ایک مشترکہ ریلی کا اہتمام کیا ہے جس میں ایسے قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کیا گیا جو رسالوں، کتابوں، ویڈیوز اور کمپیوٹر کے ذریعہ بڑھتی ہوئی عریانیت کے سامنے بند باندھ سکیں۔ ایک امریکی سینیٹر نے بھی اس امر پر تشویش کا اظہار کیا ہے کہ گھروں میں کمپیوٹروں کے ذریعہ عریاں فلموں کی نمائش ہو سکتی ہے۔ (خبریں لاہور ۱۲ جولائی ۹۵ء)

۷۔ سنگاپور کے سابق وزیراعظم اور ممتاز دانشور "لی کو آن یو" نے کہا ہے کہ فحاشی تہذیب کا بیڑہ غرق کر دے گی۔ حکومتوں کو چاہیئے کہ غلط اور صحیح کے درمیان لکیر کھینچ دیں۔ ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ اگر ہر کوئی ایک تھالی کے برابر ڈش انٹینا سے عریانیت حاصل کرنے لگ جائے تو حکومتوں کو کچھ کرنا چاہیئے ورنہ ہماری نوجوان نسل اور انسانی تمدن تباہ ہو جائیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر میں اپنے گھر کے صحن میں کوئی غلط کام کروں تو یہ میرا نجی معاملہ نہیں ہوگا۔ اگر ہر کوئی ایسا کرے گا تو پھر بچوں کا کیا ہوگا؟ وہ تو لازماً بگڑ جائیں گے۔" (جنگ لاہور ۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء)

یہ چند آراء دنیا کے معروف دانشوروں، ماہرینِ نفسیات سائنسدانوں اور تجزیہ نگاروں کی ہیں۔ کاش ہمارے اربابِ اختیار ان پر سنجیدگی سے توجہ دیں اور عریانی و فحاشی کے اس سلسلے کو روک دیں جو سرکاری سرپرستی میں پھیلایا جا رہا ہے اور جو ہماری معاشرتی و اخلاقی قدروں ہی کو تباہ و برباد نہیں کرے گا بلکہ مختلف النوع ذہنی اور جسمانی امراض کا سبب بن جائے گا اور اس قوم کی رہی سہی صلاحیتوں کو مفلوج کر کے اسے مکمل زوال اور غلامی کے اندھیروں میں پھینک دے گا کہ تاریخ کا ہمیشہ سے یہی فیصلہ چلا آرہا ہے۔

....

☆ ☆

قادیانیوں کے یہودیوں سے روابط اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں!

ایک تحقیقی کتاب جس کے کسی حوالہ کو کوئی مرزائی آج تک رد نہیں کرسکا۔

ابو مدثرہ

قادیان سے اسرائیل تک

قیمت =/60روپے

بخاری اکیڈمی، مہربان کالونی ملتان۔

ساغر اقبالی

طنز و مزاح

زبان میری ہے بات انکی

★ دوہرے ووٹ کے حق کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ (نوابزادہ نصر اللہ)
سب کچھ سمجھا دے گی، بس ایک ملاقات کی آنچ

★ اعجاز الحق نے کلاشنکوف لہرائی، لیکن حکومت کی شرافت ہے کہ انہیں چھوڑ دیا گیا۔ (آصف زرداری)
حکومت اور...... شرافت! جوڑی ٹھیک نہیں۔

★ ہر ناچنے گانے والا، بلا گھمانے والا سیاست دانوں کو گالیاں دیتا ہے۔ (افتخار گیلانی)
اور دینے کیلئے بچا ہی کیا ہے؟

★ پاکستان-کوارٹر فائنل جیت جاتا تو نعیم شری کو نہ مارا جاتا۔ (آفتاب شیخ)
اسے کہتے ہیں "ناروں گھٹنا پھوٹے آنکھ"

★ رقص و سرود کائنات کا ضروری حصہ ہیں۔ (اقبال حیدر)
آپ کیلئے بھی ضروری ہے کہ مع اہل و عیال اچھلو، کودو، ناچو، گاؤ

★ اداس چہرے، لٹکے منہ، جھکے ہوئے سر، کرکٹ ٹیم کی وطن واپسی (ایک خبر)
بھیڑا حال تے بوتھے دہاڑے۔ "نیلے پیر تے کالے منہ"

★ (ٹوبہ ٹیک سنگھ) بھینس کے پیٹ میں تین انسانی لاشیں۔ (ایک خبر)
ہر جاگیردار کے پیٹ میں پتہ نہیں کتنی لاشیں ہیں۔

★ پیسہ ہمارا مقصد حیات بن چکا ہے۔ (نصر اللہ خان)
سچ بولنا کب سے شروع کیا ہے؟

★ چیف جسٹس کی بیٹی کے گھر دوسرا چھاپہ شرمناک واقعہ ہے۔ (مشاہد حسین)
جن پہ تکیہ تھا وہی "کتے" ہوا دینے لگے۔

★ بے نظیر، نواز شریف، عمران خان کو لیڈر تسلیم نہیں کرتا۔ (قاضی حسین احمد)
پیسہ بڑا کہ بھیا، سب سے بڑا روپیہ

★ ایسے کام کروں گا کہ بعد میں آنے والے "وخت" میں پڑ جائیں گے۔ (نکئی)
فی الحال تو ۸ کروڑ عوام وخت میں پڑے ہوئے ہیں۔

★ عورتوں کو بھی دوہرے ووٹ کا حق دیں گے۔ (بے نظیر)

اس لئے کہ اسلام نے عورت کو آدھے ووٹ کا حق دیا ہے۔

★ مرداول نے ورلڈ کپ سے بھی ۱۰ کروڑ نکال لئے۔ (پیر بنیامین)

اور وسیم اکرم کی طرح اپنی بریت کی قسمیں بھی کھا رہا ہے۔

★ غیر مسلم رکن اسمبلی وزیر اعلیٰ بن سکتا ہے۔ (ایڈووکیٹ جنرل)

پھر پاکستان بنانے کی کیا ضرورت تھی!

★ کسی کو معاشی زیادتی نہیں کرنے دیں گے۔ (بے نظیر)

اجتماعی زیادتی کی جو اجازت دے رکھی ہے۔

★ کراچی اور لاہور کے درمیان بلاول ایکسپریس چلائی جائے گی۔ (ایک خبر)

نظام سقے کی روایت زندہ کی جائے گی۔

★ پولیس کی چھتر ول کے خوف سے مزدور نے خود کشی کر لی۔ (ایک خبر)

موت سے پہلے آدمی ان سے نجات پائے کیوں؟

★ مسلم لیگی خواتین شیخ رشید کی ضمانت کی خوشی میں اعجاز بٹالوی سے بھی گلے ملیں۔ (ایک خبر)

مسلم لیگ کی خواتین ہوں یا پیپلز پارٹی کی۔ گلے ملنے میں سب کشور ناہید ہیں۔

★ قسم اٹھاتی ہوں۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سے حکومت کا کوئی جھگڑا نہیں۔ (بے نظیر)

چل، جھوٹی کہیں کی!

★ وزراء کتے کی طرح دم ہلاتے ہیں۔ پنجاب اسمبلی میں ارکان کو گدھا بھینس اور الو کا خطاب (ایک خبر)

ہمارے سیاستدان گندے ہیں۔ سیاست میں بدمعاش لچے لفنگے آ گئے۔ (رامے)

کچھ رامے ہیں، کچھ گامے ہیں کچھ الٹے سیدھے جامے ہیں۔

★ ہمارا موقف ہے کہ عورت کی حکمرانی ناجائز ہے لیکن ہم نے جائز معاملات میں حکومت کی حمایت کی ہے۔ (فضل الرحمن)

ناجائز حکمرانی میں جائز معاملات کیا تاویل ہے، مولانا!

★ سرفراز نواز کو پیسے ہی لوگوں پر کیچڑ اچھالنے کے ملتے ہیں۔ (عمران خان)

وہ جمیا ہسپتال میں جمع کرا دیں۔

★ بھارت کے ہاتھوں شکست شرم کی بات نہیں۔ (سلمان تاثیر)

بے غیرتی اور کسے کہتے ہیں!

★ صدر کے بعض اقدامات سے محسوس ہوتا ہے۔ کہ کچھ ہونے والا ہے۔ (حافظ حسین احمد)

قبلہ حافظ صاحبؒ! لیڈی ہیلتھ وزیٹر سے رجوع فرمائیں۔

★ نعیم شری اور امجد بیگ کی رسم قل ادا کی گئی۔ (ایک خبر)

سینکڑوں قتل کا ثواب پہنچایا گیا۔

امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی محمد اسحٰق سندیلوی رحمہ اللہ

مضمون ذیل جناب شمشاد فاکر کی زیر تصنیف کتاب "اشفاق نامہ" کا جزو ہے جو مولانا موصوف کے والد گرامی چودھری اشفاق حسین مرحوم کے سوانح پر مبنی ہے۔ مضمون میں حالات زندگی کے علاوہ مولانا کی شعری و ادبی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس لئے مصنف کی اجازت اور موقع کی مناسبت کی بناء پر مضمون نذر قارئین کیا جارہا ہے۔ کتاب کا یہ حصہ مولانا کی زندگی میں لکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وفات کے حالات بھی شامل مضمون کر دیئے گئے ہیں۔ (ادارہ)

صاحب سوانح کے سب سے بڑے بیٹے مولانا حکیم (چودھری) محمد اسحاق صدیقی تخلص شہید ۱۲ فروری ۱۹۱۳ کو اپنے ننہیال کی حویلی واقع کٹرہ ابو تراب خاں، لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اگرچہ سندیلہ جائداد کا ہیڈ کوارٹر اور بزرگوں کا آبائی وطن تھا مگر ان کی عمر کا بڑا حصہ لکھنؤ میں گزرا۔ قاعدہ بغدادی، ناظرہ قرآن، خوش خطی، عربی فارسی اور اردو کی ابتدائی تعلیم مختلف اساتذہ سے گھر پر حاصل کی، جن میں مولوی عبدالحفیظ سر فہرست ہیں (جو والد کے بھی استاد تھے) جن دنوں والد حضرت گنج لکھنؤ میں بحیثیت کوتوال شہر تعینات تھے، ندوۃ العلما، لکھنؤ میں زیر تعلیم رہے۔ یہاں مولانا شبلی اعظمی، مولانا عبدالودود، مولانا محمد سلیم، مولانا محمد عبدالرحمان، مولانا سید علی زینبی اور مولانا عبدالحلیم صدیقی سے استفادہ کیا۔ پھر درس نظامیہ کی تکمیل کے لئے مدرسہ عالیہ فرقانیہ (لکھنؤ) میں داخل ہوئے اور مفتی ظہور احمد شیخ الحدیث، مولانا سید علی زینبی، مولانا محمد اسباط اور قاری عبدالمعبود کے زیر تعلیم رہے۔ یہاں دورہ حدیث، تربیت افتا، اور قرات کے مرحلوں سے گزر رہے تھے کہ ۱۹۲۷ء میں والد کا تبادلہ بحیثیت لکچرر پولیس ٹریننگ اسکول مراد آباد ہو گیا اور وہاں پہنچ کر وہ یکایک علیل ہو گئے۔ مولانا رمضان المبارک میں والد کو دیکھنے مراد آباد گئے اور اس ارادے سے گئے کہ چند دن میں واپس آجائیں گے تاہم والد کے اصرار پر واپسی ملتوی کر دی اور مدرسہ قاسم العلوم، شاہی مسجد، مراد آباد میں داخلہ لے لیا۔ یہاں مفتی مصلح الدین، مولانا عجب نور، اور مولانا محمد میاں جیسے متبحر علماء کی شاگردی میسر تھی۔ مگر یہ ۱۹۲۹ء کی تحریک آزادی اور سول نافرمانی کا دور تھا جس میں اہل مدرسہ بھی شریک تھے، چنانچہ مولانا محمد میاں اور دوسرے علماء کی گرفتاریوں کی وجہ سے تعلیم کا خاصہ نقصان ہوتا رہا۔ مجبوراً اگلے سال والد کی اجازت سے لکھنؤ واپس گئے اور دوبارہ داخلہ لے کر مدرسہ عالیہ فرقانیہ سے مذکورہ بالا مضامین میں تکمیل کے بعد سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد منبع الطب کالج لکھنؤ سے جو وقت کے معروف طبیب حاذق، حکیم ہادی رضا ماہر کے زیر انتظام قائم تھا، طب یونانی کی تکمیل کی حمیات اور قانون کی خصوصی تعلیم حکیم خواجہ شمس الدین سے حاصل کی جن کے دست شفا کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس طرح گویا ۱۹۳۵ء میں رسمی تعلیم کا اختتام ہو گیا اور انہوں نے والد کی خواہش پر سندیلہ ہی میں مطب کا آغاز کر دیا۔ اس درمیان "اشفاق منزل" کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی اور والد کا مستقل قیام وہیں تھا۔ والدین مولانا سے بے حد محبت کرتے تھے اور عرصے سے ان کا گھر آباد دیکھنے کے متمنی تھے۔ چنانچہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء (مطابق رجب ۱۳۵۴ھ) کو چودھری محمود علی کی صاحبزادی خدیجہ بیگم سے ان

کی شادی ہو گئی (جنہوں نے "۷" اکتوبر ۱۹۸۲ء کو بمقام کراچی انتقال کیا) رفیقہ حیات کی معیت اور مطب کی مصروفیت کے باوجود لکھنؤ جیسے عظیم الشان شہر کے مقابلے میں شاید سندیلہ کے ماحول میں ان کا جی نہیں لگا۔ بعض احباب اور بزرگوں کے مشورہ پر وہ کانپور چلے گئے اور چمن گنج میں مطب شروع کر دیا۔ یہ بہت بڑا شہر تھا ہم مذاق اصحاب بھی میسر آ گئے اور مطب کے بعد خاصی فرصت بھی۔ چنانچہ کچھ عرصے مدرسہ جامع العلوم میں اور کچھ عرصے حلیم مسلم کالج میں جزوقتی درس و تدریس کی خدمات بھی انجام دیتے رہے جو درحقیقت ان کے تبلیغی مشن کی ایک صورت تھی۔ یہیں ہومیوپیتھک سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اسکا مطالعہ بھی جاری رہا لیکن نہ اسے پیشہ بنایا نہ کانپور کے بعد طبابت کو ذریعہ معاش بنایا۔ کانپور کے تین سالہ قیام کے دوران ان کا وقت بہت اچھا کٹا تاہم والد کو ان کا اتنی دور رہنا شاق گزرتا تھا اور اتفاق یہ کہ اسی درمیان وہ خاصے بیمار ہو گئے۔ چنانچہ مولانا کو وطن واپس جانا پڑا اور والد کی خواہش کے مطابق انہوں نے کانپور کو خیر باد کہہ دیا۔

۱۹۴۳ء میں مولانا سید سلیمان ندوی نے جو اس زمانہ میں "ندوۃ العلما" لکھنؤ کے ناظم اعلیٰ تھے، انہیں باصرار طلب کیا اور اسلام کے سیاسی نظام پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کی فرمائش کے ساتھ دارالعلوم میں بحیثیت استاد کام کرنے کی دعوت دی۔ لکھنؤ ایک طرح مولانا کا وطن ہی تھا۔ سندیلہ سے بمشکل ایک گھنٹہ کی مسافت تھی۔ لہٰذا والد نے بھی اعتراض نہیں کیا۔ انہوں نے یہ پیشکش منظور کر لی۔ یہاں تقریباً ۲۶، ۲۷ سال اعلیٰ درجات میں تدریسی کتب کے علاوہ منتہی طلبا کو جدید علوم و فنون مثلاً (سیاسیات و معاشیات) کی تعلیم دیتے رہے جن کا عام عربی مدارس میں رواج نہیں تھا۔ اس کے علاوہ دارالاقامہ کی نگرانی اور طلبا کو چاق چوبند رکھنے کے لئے کھیل کود اور ورزش کا اہتمام بھی ان کے فرائض میں داخل تھا۔

۱۹۴۵ء کے ابتدائی چند مہینوں کے دوران ہندو مسلم سیاسی کشمکش میں تشدد کا رجحان شدت اختیار کر چکا تھا۔ بالخصوص مشرقی پنجاب کی چند غیر مسلم بڑی ریاستیں پورے ملک پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہی تھیں اور جیسے جیسے آزادی کی تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں مسلم اقلیت کے خلاف ایک خونی انقلاب کے آثار واضح ہوتے جا رہے تھے۔ حالات کے مشاہدے، دین کی محبت اور امۃ مسلمہ کی خیر خواہی نے بالآخر انہیں مجبور کر دیا۔ انہوں نے مدرسہ سے اجازت لی اور نیم فوجی تربیت کے لئے بھوپال چلے گئے۔ تاہم اس تربیت کا مقصد نہ تو برادران وطن سے برسرپیکار ہونا تھا نہ جنگجوئی کے لیے کوئی تنظیم بنانا، البتہ خود حفاظتی اور دفاع کے لئے عملی صلاحیت پیدا کرنا ضرور تھا جو بعد میں کام بھی آئی۔ اہل وطن بالخصوص اہل لکھنؤ بلکہ بلا تخصیص مذہب علاقے (اودھ) کے امن پسند اور شائستہ مزاج شہریوں کی بدولت آگ اور خون کے دریا سے گزرنے کی نوبت کبھی نہیں آئی۔ بہرحال ۱۹۴۶ء میں وہ ایک سال کی تربیت مکمل کر کے بھوپال سے واپس آ گئے اور بدستور تعلیم و تعلم کے فرائض میں مشغول ہو گئے اور مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ۱۹۷۰ء میں جب وہ دارالعلوم کے عمید (مہتمم) کی حیثیت میں کئی سال سے کام کر رہے تھے مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم نے اپنے مدرسہ جامعۃ العلوم بنوری ٹاؤن کراچی کے لیے انہیں بڑے اصرار کے ساتھ بار بار طلب کیا۔ ۱۹۶۲ء میں والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ بھائی بہنیں سب پاکستان میں تھے۔ والدہ بھی اولاد کی للک میں پاکستان جا چکی تھیں، اس لیے انہوں نے مولانا بنوری کی دعوت قبول کر لی کراچی آ گئے اور ابتداءً مدرسہ میں "تخصص فی الفقہ" کے مشرف کی حیثیت میں کام شروع کر دیا۔ بعد میں جب مولانا بنوری نے ان کی علمیت سے

استفادہ کی خاطر ایک نیا شعبہ التخصص فی الدعوۃ والارشاد، کھولا تو اسکے مشرف مقرر ہوئے اور تقریباً آٹھ ۸ سال تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہے۔ مولانا بنوری کے وصال کے بعد انہیں شدت سے یہ احساس ہونے لگا کہ عوام و خواص کی اصلاح اور تبلیغ کا کام جسے وہ زندگی کا مشن تصور کرتے تھے ملازمت کی پابند زندگی کے مقابلہ میں زیادہ توجہ، وقت اور آزادی چاہتا ہے، لہٰذا مدرسہ کی ملازمت سے دست بردار ہو گئے۔ اب بطور خود تصنیف و تالیف، تدریس قرآن اور وعظ و نصیحت میں مشغول رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ "جامعہ مدینتہ العلوم" اورنگ آباد (ناظم آباد کراچی) کی درخواست پر، حسبتہ اللہ افتا کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مدرسہ بنوری ٹاؤن اور اس کے اساتذہ سے رابطہ و تعلقات بدستور قائم ہیں۔

شاعری

شاعری میں معروف ماہر زبان شاعر، خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کے شاگرد ہیں جن کا شمار اساتذہ لکھنو میں ہوتا ہے لیکن اس سے بڑی بات یہ ہے کہ ان میں شعر کو فنی اعتبار سے پرکھنے اور برتنے کا ایک خاص سلیقہ ہے جو شعر کہنے، بلکہ اچھا شعر کہنے اور تنقید و تبصرہ کی ماہرانہ صلاحیت کے باوجود ہر ایک کو میسر نہیں آتا۔ میرے کلام (ان کہی) پر تبصرہ کے سلسلہ میں ایک موقع پر "غزل" اور "موضوعاتی نظم" کے فرق کو انہوں نے جس لطیف پیرایہ میں واضح کیا ہے، انہیں کا حق ہے اور اس سے ان کی شعر فہمی اور شعر گوئی کی غیر معمولی صلاحیت کا اندازہ ہو سکتا ہے لکھتے ہیں۔

"بوستان شعر و شاعری میں بھی پھولوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ ایک غزل کا چمن ہے، اس کے مقابل دوسرا چمن نظم کا ہے۔ دونوں کے پھول دلکش، دلآویز ہوتے ہیں، مگر تاثیر اور طریق تاثیر میں فرق ہوتا ہے۔ غزل کے ہر شعر میں یہ وصف ہونا چاہیئے کہ وہ سامع کو شاعر کے عالم نفسی میں اس کا ہم نشین بنا دے، مگر نظم کے کمال کا رنگ دوسرا ہے۔ اگر نظم کا ہر شعر اس وصف سے متصف ہو تو مجموعے کا اثر حد سے گزر جائے گا اور سامع ان حدود کو پار کر جائے گا۔ جہاں شاعر اسے لیے جانا چاہتا ہے۔ نظم کا کمال یہ ہے کہ وہ تدریج کے ساتھ وہ عالم نفسی طاری کر دے جو شاعر طاری کرنا چاہتا ہے اور جو خود شاعر پر طاری ہے۔ جب نظم ختم ہو تو اس کا مجموعی اثر نفسی حیثیت سے سامع کو شاعر بنا دے۔ ناظم ہلکی ہلکی پھوار ڈال کر بالآخر سامع کو شرابور کر دیتا ہے۔ غزل موسلادھار بارش کی طرح ابتداہی سے بھگو دیتی ہے۔ غزل اور نظم کے اس فرق کا ادراک کرنے والے بہت کم ہیں اور نظم میں یہ کمال پیدا کرنے والے اور بھی کم ہیں۔"

مذکورہ بالا عبارت کا حوالہ دینے سے میرا مقصد صرف اس نکتہ کی طرف توجہ دلانا ہے کہ مولانا محض روایتی غزل گو شاعر نہیں، غزل گوئی کے فن اور واردات قلبی کے اشتراک سے ان کا ہر شعر دل کو چھیڑتا ہے اور ذہن کو جھنجھوڑ دیتا ہے۔ افسوس ہے کہ انہوں نے "بیاض" کا اہتمام نہیں کیا ورنہ عشق الہٰی اور حب رسول ﷺ میں ڈوبے، اور لکھنو کی نرم اور شگفتہ زبان میں ڈھلے ہوئے اشعار کا خاصا ذخیرہ میسر آ جاتا۔ نوجوانی کے اشعار میں سے انہیں بمشکل چند شعر یاد ہیں۔ جن پر نہ صرف یہ کہ استاد سے "خلعت" ملا ہے بلکہ استاد کا------ یا یہ کہئے کہ اب سے ساٹھ سال پہلے والے لکھنو کی شاعری کا رنگ غالب ہے۔

وہ آئے جس نے کیا ہو جگر کے خوں سے وضو — میری نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے
دیکھ کر لطف خلش کی آرزو — ان کے خنجر کی روانی کچھ نہ پوچھ

جیسا کہ مذکورہ بالا سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عالم ہی نہیں، متشرع متقی، مرضی مولا! از ہمہ اولا پر ہمہ تن کار بند، دنیا سے بے نیاز، اسلام اور شارع اسلام کے شیدائی، نصرت دین کے لیے قلمی جہاد میں ہمہ دم مشغول، ایسی شخصیت ہیں جس کے ماضی اور حال اور قول و عمل میں ذرا بھی تضاد نہیں، اس لیے ان کی پختہ عمر کی غزل پر ایک متصوفانہ دلکشی، عاشقانہ وارفتگی اور لب و لہجہ کی ملاحت اس طرح غالب ہے کہ ان کا ہر شعر از لب خیزد و بردل ریزد، کے مصداق سامع کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے چند شعر دیکھتے ہیں۔

وفور شوق کا عالم، رفاقت جذب کامل کی — نظر آتی رہی ہر گام پر تصویر منزل کی
نہ اب تاب تسلی ہے، نہ ہے طور شکیبائی — ذرا آنسو تھمے، اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی
بوقت دفن آئی یہ صدا، گور سکندر سے — یہاں کی خاک چھانی اور مشت خاک حاصل کی
نشاط بزم سے کیا کہہ رہی تھی، خاک پروانہ — بصد حسرت جو دھیمی پڑ گئی لو شمع محفل کی

وہ بڑھا رہے ہیں پیہم، مرا کیف جبہہ سائی — بکمال بے نیازی، بہ جمال دل ربائی
ترا میکدہ سلامت، نہ ہو بدگمان ساقی — مجھے دیکھنے دے ساغر، بہ نگاہ پارسائی
میری سادگی تو دیکھو، کہ نمود صبح سمجھا — مرے اضطراب دل پر شب غم جو مسکرائی
وہ گھڑی تھی کیسی یارب، کہ چنے جنوں میں تنکے — سے جور آندھیوں کے، رہ آسماں نہ پائی

ادائے چشم پر نم، گیسوئے برہم سے کیا ہوگا — لہو میں ڈوبتا ہو دل تو پھر مرہم سے کیا ہوگا
نہ رنگ بوستاں بدلا نہ بوئے گل نہ ہی بلبل — تو پھر سرسبزی شاخ نہال غم سے کیا ہوگا

کیا حسن ناز ہے، دل اندوہگیں کے ساتھ — ہے التجا کا اذن بھی چین جبیں کے ساتھ
روشن ہو تا کہ چشم محبت بھی ساقیا — آنکھوں کو بھی پلا دے، مئے آتشیں کے ساتھ

تصانیف

تصانیف میں "اسلام کا نظام سیاسی" (مطبوعہ ۱۹۴۳ء) سر فہرست ہے جس میں اسلامی ریاست کے سیاسی و معاشی نظام کی بنیادی خصوصیات کی نشان دہی، قرآن و سنت کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن "دار المصنفین" اعظم گڑھ (بھارت) نے اور دوسرا ترمیم شدہ ایڈیشن "مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی، مدرسہ عربیہ

بنوری ٹاؤن کراچی نے شائع کیا ہے۔ "دعوت دین" اور مسلمانوں کی اصلاح کے سلسلہ میں مسلسل تصنیف و تالیف کرتے رہے ہیں۔ "دینی نفسیات" "اسلامی عبادات" "دعوت فکر" "ایمان و ایمانیات" "نور حیات" "کلمہ اسلام" اردو میں تنویر العینین بتفسیر معوذتین "اور "الفکرۃ السنیہ والحاجتہ المسمیہ" عربی میں تبلیغی نوعیت کی کتابیں ہیں۔

بعض گمراہ کن نظریات کی اصلاح کے سلسلے میں اہلسنت اور نظریہ امامت" اور "اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت" (تین جلد) وغیرہ مشہور کتابیں ہیں۔ انگریزی میں "بیہائنڈ دی کرٹن" ایک منفرد تصنیف ہے۔ جس میں اسلام کے خلاف یہودی نیٹ ورک (سازش) کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ رسائل اور اخبارات میں شائع شدہ مضامین ارو متعدد چھوٹے چھوٹے رسائل اس کے علاوہ ہیں جو وقتی ضرورت کے تحت شائع ہوتے رہے۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے، تکمیل ایمان اور تقویٰ کی دعوت دینے کو انہوں نے اپنا مقصد حیات بنالیا ہے، اس لئے عمر کے اس حصے میں بھی تحریری مصروفیت سے قطع نظر مواعظ اور تدریس قرآن کا سلسلہ جاری ہے پھر انہماک کا یہ عالم ہے۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

رحلت:

میری زیر تصنیف کتاب "اشفاق نامہ" کے سلسلہ میں مذکورہ بالاسوانح کی کتابت ہو چکی تھی کہ مالک تقدیر کی جناب میں مولانا موصوف کا بلاوا آگیا۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۵ء اتوار کا دن تھا۔ ان کا مستقل قیام برادر عزیز عبدالحق تمنا کے ساتھ A-۱۸ بلاک L گلشن اقبال میں تھا۔ یکایک تقریباً ۱۲ بجے دن تمنا کے ساتھ میرے یہاں (K-4/2 معمار پلازہ) آگئے۔ طبیعت کئی دن سے مضمحل تھی۔ ایک مختصر خط کے ذریعہ مجھے لکھا تھا کہ کھانے کے بعد سینہ میں درد ہوتا ہے۔ ریاحی تکلیف سمجھ کر انہیں دوا بھیج دی گئی تھی۔ آتے ہی فرمانے لگے۔ دوا سے تکلیف کی شدت میں کمی آگئی ہے اور فوری افاقہ بھی ہوتا ہے مگر اس کے بار بار پلٹ آنے سے تحریری کام کا نقصان ہو رہا ہے۔ نقاہت چہرہ سے ظاہر تھی۔ میں نے ان کے لیٹنے کا انتظام کیا اور عرض کیا کہ آپ دو چار دن یہیں قیام کریں، انشاء اللہ طبیعت بحال ہو جائے گی۔ حسب حال دوائیں تجویز کیں جن سے خاصہ افاقہ ہوا۔ ۲ بجے مجھے قریب بٹھا کر فرمانے لگے، اس دوا سے سکون ضرور ملا ہے مگر خیال رکھنا عین ممکن ہے میرا وقت آگیا ہو، میں دلاسا دیتا رہا۔ ساڑھے چار بجے تک خاصے چاق و چوبند ہو گئے اور بضد ہوئے کہ میں اپنی ضرورت کی چند چیزیں لے آؤں، پانچ بجے تمنا اور میرے بھانجے احمر صدیقی آگئے۔ ان کے ہمراہ چلے گئے۔ مغرب کے آدھ گھنٹہ بعد خوش خرم واپس آئے۔ چھوٹا سا پلاسٹک بیگ ہمراہ تھا جس میں بیرنگ ایڈ، زیر تحریر مضمون کا مسودہ، سادہ کاغذ، کئی قلم، ذاتی لیٹر پیڈ اور وصیت نامہ تھا۔ اس کے علاوہ چند کپڑے، دن میں میرے اصرار پر انگل نگل کر سا گودانہ کھایا تھا۔ عشا سے قبل طلب کر کے شوربا اور چپاتی کھائی۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ ساڑھے دس بجے رات تک احمر صدیقی کے ساتھ باتوں اور نصیحتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ کئی راتیں بے چین گذری تھیں، وظائف سے فراغت کے بعد تقریباً گیارہ بجے سو گئے۔ مجھے ان کی طرف سے تشویش تھی، بار بار جا کر دیکھتا تھا کہ دوا پلادوں مگر جگانا خلاف مصلحت تھا۔ ڈیڑھ بجے مجھے خود نیند آگئی۔ ڈھائی تین بجے کے درمیان ایک عجیب خواب دیکھا، آنکھ کھل گئی۔ جلدی سے جا کر دیکھا تو سو رہے تھے۔ پنکھا تیز چل رہا تھا، کسی قدر خنکی تھی اور ان کے پیر کھلے ہوئے تھے۔ میں پیر ڈھانکنے لگا تو انگلیاں انگوٹھوں سے مس ہو گئیں،

بہت ٹھنڈے تھے۔ میں تلوے سہلانے لگا، خلاف معمول پھر بھی نہ چونکے تو پنڈلیاں دبانے لگا، پھر نبض ٹٹولی اور ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ گردن بائیں جانب (سمت کعبہ) مڑی ہوئی تھی اور روح پرواز کر چکی تھی، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۵ء پیر کا دن (مطابق ۲۷ جمادی الاول ۱۴۱۶ھ) اور تہجد کا وقت تھا۔ اکثر دعا کرتے تھے کہ اللہ مجھے محتاج نہ کرنا اور اللہ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ دوپہر تک کراچی کے علمائے کرام کے علاوہ، معتقدین اور شاگردوں کا ہجوم ہو گیا جو میت گاڑی موجود ہونے کے باوجود از راہ عقیدت مسجد تک جنازہ کاندھوں پر کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے لے گئے۔ مسجد قبا گلشن اقبال میں مولانا محمد یوسف بنوری کے داماد اور مجلس علمی کراچی کے سربراہ مولانا محمد طاسین مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ متعلقین کی اجازت سے انہیں مقدس ہاتھوں نے عزیز آباد (یٰسین آباد) کے قبرستان پہنچ کر جسد خاکی قبر میں اتارا اور مٹی ڈال دی۔ نور اللہ مرقدہ و دامت برکاتہ۔ اس وقت دن کے تقریباً تین بجے تھے۔

سیرت و اخلاق:

میرا بچپن اور لڑکپن ان کے ساتھ گزرا۔ عمر میں پانچ سال بڑے تھے مگر کھیل کود میں برابری سے میرے شریک رہتے تھے اور بڑی سے بڑی غلطی کے باوجود مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے کبھی میرے اوپر ہاتھ اٹھایا ہو۔ لکھنؤ میں جب میں آٹھویں درجہ میں پڑھتا تھا "ناول بینی" کا شوق ہو گیا۔ تفریحی اور اصلاحی کتابوں تک تو وہ برداشت کرتے رہے لیکن ایک دن مجھے روزالیمبرٹ (Rosa-Lambert) پڑھتے ہوئے دیکھ کر برہم ہو گئے، کتاب پھاڑ کر پھینک دی۔ میں کرایہ پر لاتا تھا۔ قیمت سوا روپیہ تھی۔ دوسرے دن گلے سے لگایا اور سوا روپیہ ہاتھ پر رکھ دیا کہ کتب فروش کو دے دینا۔

والدین کی اطاعت اور محبت کا اندازہ تو اسی سے ہو سکتا ہے کہ ان کی خواہش پر ایک بار نہیں، کئی بار روزگار اور ملازمت سے دست بردار ہو گئے۔ کسی کے خلاف خواہ ان کا مخالف ہی کیوں نہ ہو غیبت پسند نہیں کرتے تھے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ دوسری جانب سے معذرت کے بغیر معاف کر دیتے تھے۔ اہل خاندان میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے زمین کی خاطر والد کو اذیتیں دیں مگر مولانا نے ان سے کبھی پرخاش نہیں رکھی، وقت پر ان کے کام آئے، اس طرح گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ بھائی بہنوں کے حق میں غیر معمولی شفقت سے پیش آتے تھے۔ کسی کے پھانس بھی لگ گئی تو بے چین ہو جاتے تھے، پھونکیں ڈال رہے ہیں، نسخے لکھ رہے ہیں، اپنی جیب سے دواء المسک اور خمیرہ مروارید لئے چلے آرہے ہیں اور دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ مجھے آزمائش میں نہ ڈالنا انہیں شفا عنایت فرمانا۔ خاتون خانہ ان سے تقریباً پانچ سال عمر میں بڑی تھیں۔ مشترکہ خاندان میں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ ان کی ہر خواہش کا احترام کرتے تھے، ہندوستان کے دوران قیام بھی انہیں الگ رکھا اور پاکستان میں بھی علیحدہ مکان دلا دیا۔ جب تک وہ صحتمند رہیں خانگی امور میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے اور آخر عمر میں جب وہ مفلوج ہو گئیں تو ان کے قریب ہی دوسرے پلنگ پر لکھتے پڑھتے تھے اور ان کی ہر فرمائش پوری کرتے تھے۔ مرحومہ اپنے طور پر بھی خوشحال تھیں، میکہ سے بہت کچھ ملا تھا جو خاتمہ زمینداری کے بعد اپنے اقربا کو بے تکلف عطیہ کرتی رہیں مگر مولانا نے کبھی مداخلت نہیں کی۔ ان کے بعد ان کا مسکونہ مکان فروخت کر کے حاصلات بسلسلہ صدقہ جاریہ ایک دینی ادارہ کے لئے عطیہ کر دیں۔

لطف یہ کہ اولاد کے سلسلہ میں زوجہ محترمہ کی قدرتی نااہلی کا علم ان کو شادی کے دو ڈھائی سال بعد ہی ہو گیا تھا۔ اس کو منشائے الٰہی تصور کرتے ہوئے قبول کیا اور والدین کی اجازت اور اشارہ کے باوجود دوسری شادی نہیں کی۔

ان کی شفقت انسانوں ہی تک محدود نہیں تھی۔ پالتو جانوروں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ عام طور پر علما اور متشرع اصحاب کتے سے سخت متنفر ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ جانوروں کی حرکتوں پر مسکراتے تھے۔ ایک چھوٹا سا رشیئن کتا ان سے مانوس ہو گیا تھا فجر کے وقت مسجد تک ساتھ آتا جاتا تھا۔ اپنے ناشتہ سے بچا کر کچھ نہ کچھ اس کو ضرور کھلاتے تھے۔ اور کہتے تھے "اس میں اصحاب کہف کے کتے کی خوبو ہے، اللہ کے گھر تک میری رہنمائی کرتا ہے"۔ بلی، طوطے، کبوتر، مرغ اور چڑیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے۔ انہیں وقت پر دانہ پانی دینے کی تاکید کرتے تھے اور کوئی نہ ہو تو خود کھلانے پلانے بیٹھ جاتے تھے۔ ہندوستان میں کبھی کبھی شکار پر بھی جاتے تھے مگر چھوٹے چرند و پرند کو کبھی نشانہ نہیں بنایا۔ بندوق ہمیشہ سے پسندیدہ ہتھیار رہی۔ مگر پاکستان میں صرف ریوالور تک محدود رہے۔ جس کا استعمال کبھی نہیں ہوا۔ آٹھ نو سال کی عمر سے نماز اور روزہ کبھی قضا نہیں کئے، تہجد اور اشراق کے بھی پابند تھے۔ نمازیں طویل ہوتی تھیں۔ جماعت کا خاص اہتمام تھا۔ کراچی میں گھر کے پاس دو مسجدیں تھیں ایک 'پرشکوہ' اور دوسری 'غریبا سو' پنج وقتہ کے علاوہ جمعہ بھی اس دوسری مسجد میں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی روزہ بھی وہیں کھولتے تھے۔ ہندوستان کے دوران قیام دو بار فریضۂ حج ادا کیا اور پاکستان سے کئی بار عمرے کئے۔ ہندوستان میں چھوٹے جانوروں کی اور پاکستان آنے کے بعد مالی حالات کی مجبوری سے عید میں گائے کی قربانی کرتے تھے اور اپنا حصہ بھی اہل حاجت میں تقسیم کر دیتے تھے۔

جوانی میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہوئے۔ ان کے بعد مختلف حالات میں مولانا محمد عیسیٰ الٰہ آبادی، مولانا عبدالرحمان کیمبلپوری اور مولانا شاہ وصی اللہ پھولپوری (ثم الٰہ آبادی) رحمھم اللہ سے نہ صرف اصلاحی تعلق قائم رہا بلکہ مدتوں ہم نشینی کا شرف بھی حاصل رہا۔ مولانا شاہ وصی اللہ اور عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیٔ کی جانب سے مجاز بیعت تھے۔

بینک کے کسی شعبہ میں پیسہ لگانا، حساب رکھنا یا این آئی ٹی اور سرکاری بہت کی اسکیموں میں سرمایہ کاری ناجائز تصور کرتے تھے۔ جس ادارہ میں کام کرتے تھے اس کا کاغذ تک ذاتی صرف میں نہ لاتے تھے۔ کسی سے کوئی چیز منگاتے، خواہ وہ کتنی ہی حقیر ہو اصرار کر کے قیمت ادا کر دیتے تھے۔ اپنے ذاتی کام خود انجام دیتے تھے، چھوٹے یا عقیدتمند کوئی حقیر خدمت کرنا چاہتے تو روک دیتے تھے، بیماری کی حالت میں بھی پیر دبانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ غیر محرم یا غیر شرعی لباس میں خواتین ہوتیں تو محفل میں شرکت سے انکار کر دیتے تھے۔ رشتوں کی مجبوری سے کسی تقریب میں شریک ہونا ہی پڑتا تو بیٹھنے اور کھانے کے لئے دور دراز میز کا انتخاب کرتے تھے جہاں خواتین کا گزر نہ ہو، کھڑے کھڑے کھانے کا جدید رواج سخت ناپسند تھا، ہمیشہ بیٹھ کر کھاتے تھے اور ہمراہیوں کے بیٹھنے کا انتظام بھی کرواتے تھے۔

عبا و قبا، جبہ و دستار کبھی استعمال نہیں کی، فرماتے تھے "ان سے افتخار کی بو آتی ہے" لمبا کرتا، ٹخنے سے اونچا علیگڑھ کٹ پجامہ، اوپر شیروانی یا صدری، سر پر دوپلی یا کشتی نما ٹوپی اور رومال پہنتے تھے، سردی زیادہ ہوئی تو سوئیٹر یا اوپر نیچے دو شیروانیاں پہن لیتے تھے۔ ایک دن کسی نے پوچھا حضرت یہ کیا! مسکرا کر کہنے لگے "اس میں حیرت کی

کیا بات ہے بھئی " اوپر والی شیروانی ہے اور نیچے زیروانی"

فرائض و عقائد کے بارے میں کج بحثی سے چڑ جاتے تھے۔ ان کا عالم جوانی تھا۔ رشتے کے ایک نانا جو صوم و صلوٰۃ سے منحرف تھے۔ نجات آخرت کے سلسلہ میں بار بار فقد قال لاالٰہ الااللہ من دخل الجنۃ، کی تکرار کر رہے تھے۔ آخر مولانا بے تاب ہو گئے اور یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ اس مقدمہ کا بہتر فیصلہ تو اللہ ہی کرے گا۔۔۔۔۔ میں بہت چھوٹا ہوں اور میرا کام صرف ابلاغ ہے۔ لیکن مخاطب سنجیدہ ہوتا تو دلیل اور منطق سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے تاہم اثنائے گفتگو لب و لہجہ میں تلخی آ جاتی تو رخصت کرنے سے قبل بے تکلف معافی مانگ لیتے تھے۔

مہمانوں کا استقبال مسکرا کر کرتے تھے۔ کھانے پینے کی کوئی چیز موجود ہوتی تو ضرور پیش کرتے تھے۔ آنے والا کم عمر ہوتا تو اصرار کر کے کھلاتے تھے۔ خواہ کتنا ہی اہم کام زیر تحویل ہو جب تک ملاقاتی خود اجازت طلب نہیں کرتا تھا نماز کے اوقات کے سوا مصروفیت یا ماندگی کا عذر کر کے رخصت کا اشارہ نہیں دیتے تھے۔ ملاقاتی سے بے تکلفی نہ ہوتی تو باتوں باتوں میں ارکان دین اور اتباع سنت کی طرف خاص طور سے توجہ دلاتے تھے۔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اصحاب رسول ﷺ کی شان میں معمولی سی کوتاہی بھی ناقابل برداشت تھی، اس کے باوجود مخالفوں اور غیر مسلم اکابر کے نام احترام سے لیتے تھے۔

نہایت رقیق القلب، بلالحاظ کافر و مومن کسی کو دکھ درد میں مبتلا دیکھتے تو بے چین ہو جاتے۔ اس کے حق میں دعائیں کرتے، پھونکیں ڈالتے اور ضرورت ہوتی تو تیمارداری میں لگ جاتے تھے۔ مریض یا اس کے اہل خانہ کی طرف سے تقاضہ ہوتا تو نسخہ بھی تجویز کر دیتے۔ طب یونانی میں مہارت اور ہاتھ میں شفا تھی۔ کئی بار ناقابل علاج امراض میں لوگوں کو شفا ہوئی۔ سخت سے سخت صدموں کے موقعوں پر غیر معمولی ضبط و تحمل سے کام لیتے تھے۔ عزیز ترین بھائی اور بہن کی وفات بھی اس تحمل میں رخنہ نہیں ڈال سکی مگر والد گرامی کی رحلت پر داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ فرماتے تھے ولی کامل تو وہ تھے (والد) جو رشوت اور جرائم کے سمندر سے صحیح سلامت گزر گئے۔ میں کیا ہوں، ان کی بدولت ترغیبات دنیا، اس شدت سے میرے راستہ میں حائل ہی کہاں ہوئیں کہ اپنے اتقاء پر بھروسہ کروں۔

کانوں کی معذوری ایک حد تک موروثی تھی۔ سماعت میں خرابی کئی سال سے تھی مگر آخر عمر میں بہت اونچا سننے لگے تھے۔ ایک دن ایک بے تکلف کرم فرما نے کہا "مولانا! اس کا علاج کیوں نہیں کرتے!" کہنے لگے "قبلہ! یہ تو اللہ کی رحمت ہے دوسروں کی غیبت اور اپنے حق میں مذمت سننے سے الگ بچتا ہوں اور گرد و پیش کے شور شرابے سے محفوظ، دین کے کاموں میں لگا رہتا ہوں"

حصول علم کے معاملہ میں "ولوکان بالسین" کے قائل تھے۔ انگریزی زبان و ادب میں تو خاصی دستگاہ انہیں دنوں حاصل کر لی تھی۔ جب منبع الطب کالج لکھنؤ میں زیر تعلیم تھے۔ مگر ہومیوپیتھک، جدید فلسفہ و معاشیات، ملٹری سائنس، علم المذاہب، فلکیات، فزکس، بیالوجی اور تاریخ کا مطالعہ مختلف اوقات میں بطور خود اس انہماک سے کیا تھا کہ اچھے اچھے سند یافتہ اصحاب کی اصلاح کر دیتے تھے۔ اس کے باوجود ضرورت ہوتی تو معلومات اور استفادہ کے لئے چھوٹوں اور کم درجہ اہل علم سے بھی بے تکلف رجوع کر لیتے تھے۔ فارسی اور ہندی سے شغف کی بدولت مجھے اکثر یہ شرف حاصل ہوا۔

حافظہ نہایت عمدہ بلکہ قابل رشک تھا۔ بیاسی سال کی عمر میں بھولے بسرے واقعات کے دن تاریخ اور کتابوں کے صحیح حوالے بتا دیتے تھے۔ دین اور دین کی صلاح و فلاح مرغوب موضوع تھا۔ ہر علم کو دینی نقطہ نظر سے پرکھتے تھے۔ اور اکثر اس کے حوالہ سے دین کے مسلمات کی تشریح و تائید کرتے تھے۔ عقائد اہل سنت کے پس منظر میں تاریخ کی چھان پھٹک، راوی اور روایت کا علم رجال اور عقلی و علمی دلائل کی روشنی میں جائزہ لے کر قلم اٹھاتے تھے۔ لکھنے بیٹھتے تھے تو گرد و پیش کی خبر نہیں رہتی تھی، سوائے اس کے کہ نماز کا وقت آجائے یا کوئی ملاقاتی کھٹکا کر کے بیدار کر دے۔ علما و صلحا بالخصوص مجددین پر جو وقت پڑتا رہا ہے اس سے وہ بھی نہ بچ سکے اور محض اختلاف رائے کی بنا پر اکثر ہم عصروں کی جانب سے تحقیر و تکفیر کا نشانہ بنتے رہے مگر ایسے اصحاب کو براہ راست مناسب جواب دینے کے باوجود غیبت میں نام لے کر ان کی مذمت کبھی نہیں کرتے تھے۔ ایک بار ایک ہمدرد نے ٹوکا "آپ سر محفل ایسے خود پرست اہل علم کو بے نقاب کیوں نہیں کرتے!" فرمایا عزیزم! مجھے اختلاف علم کے بارے میں ان کی رائے سے ہے، مجرد علم سے نہیں کہ گلا پھاڑ پھاڑ کر فتوے صادر کرنے لگوں۔ مزہ تو اخلاق انبیاء کی پیروی میں ہے، نفس کی تسکین میں نہیں۔"

چنانچہ ذاتی ڈائری میں جہاں انہوں نے احبا کی بے مہری کا ذکر کیا ہے وہاں نام لئے بغیر حرف یہ جملہ ملتا ہے "کاش ہم علما میں ہمچو من دیگرے نیست" کی بیماری نہ ہوتی تو آج امت مسلمہ میں یہ انتشار بھی نہ ہوتا جس نے ہماری قوت کو گروہ در گروہ تقسیم کر دیا ہے۔ بہر حال میں سب کو تہہ دل سے معاف کرتا ہوں کہ روز محشر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے روبرو میرا دل کثافت و رنجش سے پاک ہو۔"

دین کی لگن اپنی جگہ، مگر غربت و افلاس کے مارے ہوئے بندگان خدا کی مادی فلاح و بہبود بھی ان کے نزدیک کم توجہ طلب نہیں تھی۔ چنانچہ دونوں محاذوں پر انہوں نے فعال کردار ادا کیا۔ اس حوالے سے کم از کم دو اداروں کے بانیوں میں شامل تھے۔ اور ان کی ترقی کے لئے بہت کچھ کرتے رہتے تھے۔ پہلا ادارہ "شمشاد فاکر ٹرسٹ (رفاہی) کراچی کے نام سے قائم ہوا جسے ان کے منجھلے بھائی شمشاد حسین فاکر نے ۱۹۸۵ء میں رجسٹرڈ کرادیا۔ یہ ٹرسٹیوں کی زیر نگرانی عوام کو ہومیوپیتھک علاج کی سہولت، دینی اور دنیوی اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف اور شرعی ضروریات کے لئے غربا کو مالی امداد فراہم کرنے کے علاوہ اشاعت دین کے لئے ہر اقدام کا مجاز ہے۔ مولانا مرحوم نہ صرف اس کے سرپرست بلکہ "امین خزانہ" بھی تھے اور انہوں نے اپنی صوابدید سے میمورنڈم کی بعض شقوں میں ترمیم کرا کے غیر سنی عناصر پر اس کا داخلہ بند کر دیا۔ دوسرا ادارہ وقف "دائرۃ المعارف" کے نام سے احسن آباد، کراچی میں قائم کیا اور تنہا اپنے وسائل سے پلاٹ (زمین) مہیا کر کے چند علمائے کرام پر مشتمل ٹرسٹ کے سپرد کر دیا۔ اسکا مقصد نشر و اشاعت کے ذریعہ تبلیغ دین کے علاوہ ایسی درسگاہ کا قیام ہے جہاں فارغ التحصیل طلباء کو جدید معاشی اور سائنسی علوم کی تعلیم بھی دی جائے تا کہ اس دور کے تقاضوں کے پیش نظر تبلیغ اسلام کا فریضہ بہتر طریقہ پر انجام دیا جا سکے۔

مولانا مرحوم (سرپرست اعلیٰ) کے بعد فی الحال یہ ادارہ حضرت مولانا محمد انور بدخشانی اور ان کے پانچ رفقا کی سرپرستی میں زیر تکمیل ہے۔

ایک معزز با اثر اور کھاتے پیتے گھرانے کے فرد کی حیثیت سے انہوں نے اپنے کو کبھی رئیس نہیں گردانا۔ کبھی خاندانی خطاب (چودھری) نام کے ساتھ استعمال نہیں کیا۔ کبھی بزرگوں کی امارت پر فخر نہیں کیا۔ امراء و رؤسا

کو ملنے جلنے میں کبھی فوقیت نہیں دی۔ اوسط حال لوگوں کی طرح زندگی بسر کی، غریبوں میں گھل مل کر زیادہ وقت گزارا۔ نیکی اور خیر کے لئے ہاتھ کھلے رکھے۔ خست اور دولت سے اجتناب اور الفقر و فخری پر کاربند رہے، کل کی فکر کبھی نہیں کی انتقال کے وقت کسی کمپنی کے نو ہزار روپیہ قیمت کے حصص اور سات ہزار روپیہ نقد کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اور نقد کے بارے میں یہ وصیت تھی کہ تکفین و تدفین کے جملہ مصارف اس رقم سے پورے کئے جائیں۔ نہ ہار اور پھول پر پیسہ ضائع کیا جائے نہ تقریبات بعد از مرگ، کا اہتمام کیا جائے۔ مختصر یہ کہ نہایت محتاط زندگی گزارنے کے باوجود کبھی خود احتسابی سے غافل نہیں ہوئے اور تادم آخر فی سبیل اللہ دامے درمے قدمے سخنے دین متین کی خدمت کرتے ہوئے، طویل بیماری کی صعوبت سے محفوظ، محتاجی سے بے نیاز مرگ ناگہانی سے بے تکلف گزر گئے۔ اس طرح جیسے بہت مدت کے بعد موسم بدلا ہے۔ بہشت کی خواب آور ہواؤں نے سکون بخشا ہے۔ تھکے ہوئے مسافر نے آنکھیں بند کرلی ہیں اور نغمہ لاالہٰ پر رقص کرتی ہوئی روح اس منزل کی طرف رواں دواں ہے جہاں اس کا مطلوب و مسجود، فاذکرونی اذکرکم کا داعی حقیقی، اس کو صلہ دینے کا منتظر ہے۔ یرفع اللہ الذین آمنو منکم والذین اوتوا العلم درجات۔ (سورۃ مجادلہ، آیت ۱۱)

ترجمہ (اللہ ان کو جو مؤمن ہیں اور علم حقیقی رکھنے والے ہیں، درجات میں بڑھادے گا۔)

احرار ختم نبوت سنٹر کی تعمیر

جدید مرکز احرار دارالعلوم ختم نبوت اور احرار ختم نبوت سنٹر مقابل مرکزی مسجد عثمانیہ، معاویہ چوک، ہاؤسنگ سکیم چیچا وطنی۔ کی تعمیر کا کام جاری ہے ضلع ساہیوال بالخصوص علاقہ چیچاوطنی کے ساتھی خصوصی توجہ فرمائیں۔

رابطہ:۔

دفتر احرار جامع مسجد بلاک نمبر ۱۲ چیچا وطنی۔

(بقیہ از ص ۵۷)

کی جگہ افسردگی، اضمحلال اور مایوسی لے لیتی ہے۔

الغرض ہنی مون کی اصطلاح اور اس سفر کو ہمارے سماج اور ہماری دینی اقدار سے قطعاً مناسبت نہیں۔ شادی کے خوشگوار لمحات سے لطف اندوز ہونا ایک فطری امر ہے مگر اپنے اطوار، اپنی تہذیب اور اپنی اقدار کے ساتھ، نہ کہ کفار و مشرکین کے طور طریقوں پر۔۔۔۔ مسلمانوں کو دیگر رسوم و رواج کے ساتھ ساتھ اس رسم بد سے بھی چھٹکارا حاصل کرنا چاہیئے۔

یادِ رفتگاں

ماخوذ ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ

حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب صدیقی سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

گزشتہ اشاعت میں وقت کی تنگی کی بنا پر صرف چند سطریں ہی مولانا مرحوم کی خبرِ وفات پر شاملِ اشاعت ہوسکی تھیں۔ جبکہ مولانا کا حق اس سے بہت زیادہ تھا۔ اپنے علم و اندازے کے مطابق وہ اہل اللہ میں سے تھے اگرچہ اس حیثیت سے انھیں کم ہی لوگ جانتے ہوں۔

مولانا صدیقی النسب تھے اور اپنے وطن مالوف سندیلہ کی نسبت سے (جو کہ لکھنؤ کے قریب کی ایک قدیم بستی ہے) سندیلوی کہلاتے تھے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعلیم کی تکمیل فرمائی اور پھر وہیں ایک عرصۂ دراز تک تدریسی ذمہ داریاں ادا فرماتے رہے جو مختلف شعبوں پر پھیلی رہیں۔ درسِ حدیث جو مدارسِ عربیہ کا سب سے اہم شعبہ مانا جاتا ہے اس کی سربراہی یعنی شیخ الحدیثی تک کا منصب آپ کو حاصل ہوا اور ایک زمانہ میں منصبِ اہتمام خالی ہوگیا تو ایک مؤثر اور معتمد اور نہایت فرض شناس استاذ کی حیثیت سے شعبۂ اہتمام بھی آپ کی نگرانی میں رہا۔ جہاں تک یاد ہے یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آپ کے آخری زمانے کی بات ہے جس کے بعد آپ ترکِ وطن کرکے کراچی منتقل ہوگئے۔ یہ تقریباً ۱۹۷۰ء کے آس پاس کی بات ہے۔

اس طرح کوئی بیس برس مولانا کے ساتھ ایک ہی شہر میں رہنے کا تعلق رہا۔ لیکن اولاً اپنے حافظے کی خرابی اور ثانیاً بعد کے بیس پچیس سال میں کوئی رابطہ نہ رہنا۔ ان دونوں باتوں نے مل کر مولانا کے بارے میں یادداشت کے نقوش کم ہی محفوظ رہنے دیئے ہیں۔ اور وہ بھی اکثر بہت مدھم۔ جو بات اچھی طرح یاد ہے وہ ہے مولانا کے بارے میں تقویٰ و طہارت اور مردِ مومن ہونے کا تاثر۔ ذات کے معاملے میں بہت نرم اور بےنفس اور دین و حق کے معاملے میں نہایت غیرت مند و باحمیت اور جوشِ عمل سے سرشار۔ دینی تعلیم کے علاوہ عصری علوم سے بھی بقدرِ ضرورت واقف تھے۔ اور انگریزی جاننے کی وجہ سے عصری افکار و مسائل پر براہِ راست نظر تھی۔ مولانا کی اس جامعیت کا سب سے زیادہ وقیع مظہر غالباً ان کی کتاب "اسلام کا سیاسی نظام" قرار پائے گی جو پاکستان بننے سے پہلے مسلم لیگ کی قائم کردہ اس علماء کمیٹی کی خواہش پر مولانا نے تیار فرمائی تھی جس کے ممبران میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا آزاد سبحانی اور جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی شامل تھے۔ اور ان حضرات کی منظوری سے یہ کتاب دارالمصنفین اعظم گڑھ جیسے مؤقر علمی ادارے کی طرف سے شائع کی گئی۔

مولانا نے صرف یہ کتاب ہی نہیں لکھی تھی بلکہ ان کے اندر بڑی تڑپ بھی اسلام کی حکمرانی اور کفر کی سرنگونی دیکھنے کے لیے پائی جاتی تھی حتیٰ کہ ایک حد تک فنونِ حرب کی ٹریننگ بھی حاصل کی ہوئی تھی۔ یقیناً اس جذبے اور تڑپ میں مولانا کے صدیقی نسب کا بھی دخل تھا۔ اور یہی صدیقیت ان کو اندرونی فتنوں کے معاملے میں بھی بے چین کر دیا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ مودودی صاحب کی "خلافت و ملوکیت" میں انہوں نے بعض اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف شیعی زبان درازی کی تقویت کا سامان دیکھا تو اُس زمانے میں ان کی صدیقیت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی چنانچہ "تجدید سبائیت" کے کھلے نام سے اس کی تردید میں کتاب رقم فرمائی۔ اور پھر پاکستان جا کر تو مولانا نے جیسے محسوس کیا کہ سبائیت ہی اس ملک کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ چنانچہ "اظہارِ حقیقت" کے نام سے تین ضخیم جلدیں اسی سبائیت کے خلاف ایک ایک کر کے لکھ ڈالیں اور پھر جیسا کہ ہونا لازم تھا غیروں سے زیادہ اپنوں ہی کے مطعون بن گئے اور پتہ نہیں کیا کیا (ناصبی، خارجی، دشمن اہلبیت وغیرہ وغیرہ) بنا دیے گئے۔ حالانکہ ان کا حال وہ تھا جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک استاد کو تحریر فرمایا تھا:

"آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ الحمدللہ میں سنی ہوں، اور حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنے ماں باپ سے زیادہ محبت رکھتا ہوں اور سب کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتا ہوں۔ ان حضرات کے ساتھ محبت رکھنے کے ساتھ ان کی محبت کو واجب بھی سمجھتا ہوں۔ ان کی کفش پا کی خاک اگر مجھے آنکھوں میں لگانے کے لیے میسر آجائے تو اپنی خوش نصیبی سمجھوں اور اس پر فخر کروں۔

جو شخص ان حضرات میں سے کسی کے ساتھ بغض و عداوت رکھے اسے گمراہ، فاسق، مستحق سزائے آخرت سمجھتا ہوں، اسے سنی نہیں سمجھتا۔ لیکن میرے دل میں ان کی یہ محبت و عظمت اس لیے کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و معیت کا شرف حاصل ہوا، اس لیے میری یہ محبت صرف ان حضرات تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر صحابی سے (خواہ وہ چند سکنڈ ہی کے لیے معیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا ہو) محبت ہے۔ اور اس کی عظمت بھی میرے دل میں اتنی ہے جو کسی غیر صحابی ولی اللہ کی نہیں ہوتی۔ مجھے حضرت عثمان، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص و امثالہم رضی اللہ عنہم سے بھی محبت ہے اور ان سب کی عظمت میرے دل میں ہے[1]۔"

مگر وہ لوگ کہاں ماننے والے ہیں جو حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم سے محبت اور ان کے احترام

---

[1] بنام جناب ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی۔ استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ موصوف ہی کی عنایت سے اس خط کی نقل مولانا کے انتقال کے بعد دفتر الفرقان کو موصول ہوئی۔

کا حق یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان کا اگر کسی صحابی سے تنازع ہوا ہے تو اس کو بس رسماً صحابی اگرچہ مان لیا جائے (اور "حضرت" وغیرہ اس کے نام کے ساتھ بھی لکھا جائے) مگر واقعی حقوقِ صحابیت اُس کے لیے روا نہ رکھے جانے چاہئیں۔ بلکہ صحابیت والے حقوق ہی کیوں، عام انسانی مساوات والے حقوق عدل و انصاف میں بھی ان کو حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ کا مساوی نہ مانا جائے۔

مولانا کی شخصیت کا یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ وہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف رکھنے والوں میں سے تھے اور ان کے خصوصی استاذ اور علمی و دینی سرپرست حضرت مولانا اسباط صاحبؒ بھی اسی سلسلے کے بزرگوں میں تھے۔ نیز حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی (لکھنویؒ) سے بھی تعلق خاطر تھا اور یہ جو ایک خط کے مندرجۂ بالا اقتباس میں اعتدال اور توازن نظر آتا ہے بے شک اسی کی توقع ایسے بزرگوں سے ارادت اور استفادے کا تعلق رکھنے والوں سے کی جانی چاہیئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کا حشر انہی بزرگوں کے زمرے میں کرائے جن سے وہ محبت رکھتے تھے اور ہمیں بھی اپنے فضل و کرم سے محروم نہ فرمائے۔ آمین۔

استدراک مندرجہ بالا مضمون فروری کے شمارے کے لیے لکھا گیا تھا مگر ڈاک میں بہت تاخیر سے لکھنؤ پہنچنے کی بنا پر شاملِ اشاعت نہ ہو سکا اور اس میں ایک خبر کا پہلو یہ نکلا کہ اس عرصہ میں حضرت مولانا کی خود اپنی ایک تحریر اپنے ابتدائی حالات کے بارے میں نظر سے گزر گئی جس سے معلوم ہوا کہ مضمون میں جو مولانا کے ابتدائی حالات دوسرے ذرائع سے اخذ کر کے لکھے گئے ہیں وہ تصحیح طلب ہیں اس لیے ذیل میں ضروری تصحیح کچھ اضافے کے ساتھ درج کی جارہی ہے۔

۱۔ مولانا کی ابتدائی تعلیم اپنے ننھیالی مکان پر ہوئی جو لکھنؤ ہی میں تھا۔

۲۔ بعد میں دو سال ندوۃ العلماء میں داخل رہ کر متوسط تعلیم حاصل کی۔

۳۔ پھر درسِ نظامی کے شوق میں مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا اسباطؒ سے آپ کو شاگردی کا تعلق مدرسہ فرقانیہ ہی میں ہوا، وہیں آپ نے قراءتِ سبعہ کی سند بھی حاصل کی۔

۴۔ بعد ازاں فنِ طب کی تعلیم کی تحصیل بھی لکھنؤ میں کی اور پھر کانپور میں طب ہی کو ذریعۂ معاش بنا کر مطب شروع کیا۔ لیکن یہ سلسلہ دو ہی سال رہا تھا کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے "اسلام کا سیاسی نظام" مرتب کرنے کی خدمت آپ کے سپرد فرمائی اور بعد ازاں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں خدمتِ تدریس کے لیے آپ کو بلا لیا جو کہ ۱۹۴۳ء کی بات ہے۔ (بشکریہ نقیب ختم نبوت ملتان)

(بہ شکریہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ مارچ ۱۹۹۶ء)

مجیب الرحمٰن شامی

سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کا خاتمہ؟

سپریم کورٹ نے اعلیٰ عدالتوں میں ججوں کے تقرر کے بارے میں جو تاریخی فیصلہ دیا، پورا ملک اس کے بارے میں بحث و تمحیص میں مصروف تھا کہ بینظیر حکومت نے اس موقع سے فائدہ اٹھالیا۔ سپریم کورٹ کی شریعت بنچ کے دو ججوں کو رخصت کر دیا۔ تاثر دیا گیا کہ جیسے یہ علیحدگی سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدر آمد کا نتیجہ ہو اور یوں "مولویوں کا سانپ" بھی مر جائے اور اقتدار کی لاٹھی بھی محفوظ رہے۔ حالانکہ سپریم کورٹ کے فیصلے کی زد میں شریعت بنچ کی "ش" بھی نہیں آتی۔ نہ یہ وہاں زیر بحث آیا اور نہ اس بارے میں کوئی دور کا اشارہ بھی کیا گیا۔

جسٹس محمد تقی عثمانی اور جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کو برسوں پہلے وفاقی شرعی عدالت کا جج بنایا گیا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ علم و فضل کے پہاڑ ہیں۔ پیر کرم شاہ نے مصر میں تعلیم پائی۔ مفسر قرآن ہیں اور معاملات کو سمجھنے اور سمجھانے کا ایک خاص اسلوب رکھتے ہیں۔ تقی عثمانی حضرت مولانا محمد شفیع مرحوم کے فرزند ارجمند ہیں۔ جدید و قدیم کا حسین امتزاج، معاشیات میں ایم اے کیا، قانون کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور درس نظامی بھی سبقاً سبقاً پڑھا۔ انگریزی اور عربی پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی نکتہ رس نگاہ کے اپنے پرائے سب معترف ہیں۔ ان کے تحریر کردہ فیصلے قانون کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور اپنا آپ منوا چکے ہیں۔

ان دونوں حضرات کو وفاقی شرعی عدالت سے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ میں بھیجا گیا تھا لیکن اس "احتیاط" کے ساتھ کہ یہ ایڈہاک جج رہیں۔ کم و بیش تیرہ چودہ برس سپریم کورٹ میں گزارنے اور اپنے منصب کے تقاضے کماحقہ پورے کرنے کے باوجود وہ ایڈہاک ہی رہے۔ اسی لئے ایک نوٹیفیکیشن نے ان کو سابق بنا کر واپس کر دیا اور دوسرے نوٹیفیکیشن نے انہیں وفاقی شرعی عدالت سے بھی نکال باہر کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○

جسٹس کرم شاہ ہوں یا جسٹس تقی عثمانی، دونوں میں سے کوئی بھی منصب یا عہدے کے لالچ میں مبتلا نہیں۔ جنرل ضیاء الحق منتیں کر کے انہیں لائے تھے۔ تقی صاحب کے بارے میں تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے سرکاری خزانے سے ایک پیسہ بھی تنخواہ وصول نہیں کی۔ ان دونوں حضرات نے محراب اور کتاب سے اپنا رابطہ استوار رکھا۔

وفاقی شرعی عدالت کو بڑے غور و خوض اور صلاح مشورے کے بعد ملکی قوانین کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لینے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اس میں جدید قانون دانوں اور عدلیہ کے ارکان کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کو بھی داخل کیا گیا اور یوں جدید اور قدیم ایک ساتھ مل کر اپنے اپنے علم کی روشنی سے کام لینے لگے۔ اس عدالت نے کئی معرکے کے فیصلے کئے اور کئی اہم مقدمات نمٹائے۔ جسٹس تنزیل الرحمٰن نے اس عدالت ہی کی سربراہی فرماتے ہوئے سود کے بارے میں فیصلہ سنایا اور ایوان اقتدار کو لرزایا۔

اس عدالت کے اختیارات کا یہ عالم کہ اگر یہ کسی قانون کے کسی حصے کو خلاف اسلام قرار دے دیتی اور چھ ماہ کے اندر اندر مرکزی یا متعلقہ صوبائی اسمبلی اسے تبدیل نہ کرتی تو قانون کا منظور کردہ حصہ خود بخود غیر قانونی ہو جاتا۔ اس طرح کئی قوانین کے کئی حصے کالعدم قرار پائے۔ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کو اسی عدالت نے اس طرح زخم لگایا کہ یہ پھر اٹھ نہ سکا۔ پاکستان بھر کی اخباری تنظیمات برسوں اس کے خلاف جدوجہد کرنے کے باوجود وہ کچھ حاصل نہ کر پائی تھیں جو وفاقی شرعی عدالت کے ایک فیصلے نے ان کی جھولی میں ڈال دیا۔ اس کے بعد ہی ڈیکلریشن کا حصول آسان ہوا اور اخباری مقدمات میں انتظامی افسروں کو عدالتی فرائض ادا کرنے سے روک دیا گیا۔

اس عدالت کے معاملات میں قباحت یہ تھی کہ علماء ججوں کو ملازمت کا آئینی تحفظ حاصل نہ تھا۔ وزارت قانون ان کو آن واحد میں نکال کر رکھ سکتی تھی۔ اعلیٰ عدالتوں کے جج اس کی جج قبول کرنے پر تیار نظر نہیں آتے تھے، اس لئے یہ لکھ کر دستور میں داخل کر دیا گیا کہ جو جج اس کا رکن مقرر کیا جائے گا، وہ اگر انکاری ہو گا تو ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

اس دفعہ کو شاید نیک نیتی ہی سے آئین کا حصہ بنایا گیا ہو لیکن استعمال نہایت بدنیتی کے ساتھ کیا گیا۔ حکمرانوں نے اسے ناپسندیدہ ججوں سے نجات حاصل کرنے کا تیر بہدف نسخہ سمجھ لیا۔ اگر خدانخواستہ جج انکار کر دیتے تو انتظامیہ خوش ہو ہو جاتی اور اگر وہ شرعی عدالت میں جا بیٹھتے تو اس پر بھی سجدہ شکر بجالایا جاتا۔ چت بھی انتظامیہ کی تھی اور پٹ بھی۔ بینظیر حکومت نے تو یہ چھری لاہور اور سندھ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس صاحبان پر بھی چلادی۔ اب سپریم کورٹ کے فیصلے نے اعلیٰ عدالتوں کے "پسندیدہ" ججوں سے نجات حاصل کرنے کا یہ چور دروازہ بند کیا ہے تو اس پر داد دی جا رہی ہے۔

جہاں تک علماء ججوں کا تعلق ہے، ان کا معاملہ جوں کا توں ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے شاید یہ سوچا ہو کہ بعد میں آنے والے اس بنیاد پر کوئی عمارت ضرور تعمیر کرلیں گے، اس لئے وہ کئی خلا چھوڑ گئے۔ اب کوئی نئی اینٹ لگانے کے بجائے بنیاد ہی کو ڈھایا جا رہا ہے اور ان علمائے کرام سے عدالت کے ایوانوں کو محروم کر دیا گیا ہے، جن کا عدالتی تجربہ طویل تھا اور جن کا ہم سر ڈھونڈنے کے لئے فلک کو برسوں پھرنا پڑے گا۔

جسٹس عثمانی اور جسٹس الازہری کے بعد سپریم کورٹ کا شریعت بنچ عملاً ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ اسلام کے نعرے لگانے والے اور اسلام سے سامان رزق ڈھونڈنے والے بہت سے افراد اور گروہ ایسے ہیں کہ جن کو اس پر ایک حرف احتجاج بلند کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

(بہ شکریہ روزنامہ جنگ لاہور ۲ اپریل ۱۹۹۶ء)

(بقیہ از ص ۴۶)

مقصد جس کے لئے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا یعنی نظام مصطفےٰ کا نفاذ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ اسلئے

ع ----- عنادل باغ میں بیٹھیں، نہ غافل آشیانوں میں

بلکہ شہدائے ختم نبوت کے سے جذبہ کے ساتھ ملک کو طاغوتی نظام سے بچانے اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لئے عملی جدوجہد کا وقت آپہنچا ہے اگر اسے غفلت میں ضائع کر دیا گیا تو پھر نوٹ کر لیجئے کہ

"ہماری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں" وما علینا الاّ البلاغ

(بقیہ از ص ۴۷)

رہا ہے۔ گذشتہ دنوں را ابن رافیل نے بھی سخت نازیبا انداز میں پاکستانی آئین پر رائے زنی کی اور مرزائیوں کی حمایت میں آواز بلند کی۔ یہ گویا طے شدہ معاملات اور مسائل کو نئے سرے سے متنازعہ بنانے کی مہم کا آغاز ہے۔

ان رہنماؤں نے کہا ہے کہ ایک سرکاری جریدے میں علانیہ کفر و ارتداد پر مبنی اس مضمون کی اشاعت سے حکومت خود قانون امتناع قادیانیت کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوئی ہے۔ قادیانیوں کے لئے دعوت و تبلیغ، شعائر اسلام کا استعمال اور خود کو مسلمان کہلوانا قانوناً جرم ہے لیکن سرکاری سرپرستی میں یہی کام پورے دھڑلے سے سرانجام دیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ پیپلز پارٹی اور قادیانیوں کی کسی خفیہ مفاہمت کا نتیجہ نہیں ہے تو حکومت کو فی الفور اپنی پوزیشن واضح کرنی چاہئیے۔ وزارت اطلاعات و نشریات میں گھسے ہوئے قادیانیوں اور مذکورہ ماہنامے کے ادارتی عملے کے خلاف قانونی کارروائی کر کے قرار واقعی سزا دینی چاہئیے۔

اس حساس اور قومی و دینی مسئلہ پر غور کرنے کے لئے مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا ایک اہم اجلاس عنقریب لاہور میں طلب کر لیا گیا ہے تاکہ دینی جماعتوں میں فوری رابطے اور مشترکہ لائحہ عمل کو ممکن بنایا جاسکے۔

عقیدۂ ختم نبوت امت مسلمہ کی شہہ رگ اور مرکز وحدت ہے

دینی قوتوں کا نفاذ اسلام کی بجائے جمہوریت اور گروہی سیاست کے لئے توانائیاں صرف کرنا خود کشی ہے

مسجد احرار ربوہ میں اٹھارویں سالانہ شہداء ختم نبوت کانفرنس کے مختلف اجلاسوں سے حضرت مولانا خواجہ خان محمد، سید عطاء المحسن بخاری، اور دیگر زعماء احرار کا خطاب

۲۱، ۲۲ مارچ ۱۹۹۶ء کو تحریکِ ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے شہداء کی یاد میں مجلسِ احرار اسلام پاکستان کے زیر اہتمام دوروزہ اٹھارویں سالانہ "شہداءِ ختم نبوت کانفرنس" جامع مسجد احرار ربوہ میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں ملک بھر کے مختلف حصوں سے فدائیانِ ختم نبوت اور سرخپوش احرار رضاکاروں کے قافلے بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ لوگوں کی آمد مسلسل جاری رہی اور ربوہ شہر میں جگہ جگہ خیر مقدمی بینرز اور احرار کے سرخ ہلالی پرچم لہراتے رہے۔ کانفرنس کی پہلی دو نشستوں سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ شہدائے ختم نبوت کا خون اور قربانیاں رنگ لائیں گی اور پوری دنیا سے قادیانیت کا ناسور جیبڑے سے اکھاڑ دیا جائے گا۔ جب بھی جھوٹی نبوت سر اٹھائے گی۔ سید نا صدیق اکبر کی سنت زندہ کی جائیگی۔ سید عطاء المہیمن بخاری مرکزی نائب امیر مجلس احرار اسلام نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملک و ملت کے خلاف ہونے والی تمام سازشوں کے پس منظر میں قادیانی ہیں۔ بے نظیر بھٹو کے والد نے مرزائیت کی جڑیں کاٹیں اور بے نظیر مرزائیت کے شجرۂ خبیثہ کو پانی دے رہی ہیں۔ موجودہ حکومت امت مسلمہ پر مرزائیوں کو مسلط کرنے کی گھناؤنی سازش کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مخلوط انتخاب اور مرزائیوں کو دو ووٹوں کا حق اس مکروہ سازش کا الارم اور خطرناک عنوان ہے۔ دینی قوتوں نے مل بیٹھ کر مشترکہ لائحہ عمل اختیار نہ کیا تو آنے والا وقت خطرناک کشیدگی کو جنم دے گا۔ سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ ہمارے حکمران اور سیاستدان جو کھیل کھیل

منکرینِ ختم نبوت یہودونصاری کے مہرے بن کر اکھنڈ بھارت کے لئے کام کر رہے ہیں

رہے ہیں۔ وہ اسلام اور ملک دشمنی پر مبنی ہے۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ دونوں کی قدر مشترک دین دشمنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر فحاشی اور عریانی کو جس کھلے دل سے پھیلایا جارہا ہے۔ اس سے تمام انسانی اور اخلاقی قدریں دم توڑ رہی ہیں۔ جبکہ وزیر اطلاعات قوم کی بہو بیٹیوں کو عریاں نچوانے اور جنسی انارکی کو قومی ورثہ قرار دینے میں مصروف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ پیپلز پارٹی کا کلچر تو ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں کا نہیں۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ ۱۹۵۳ء میں مسلمان ناموسِ رسالت پر نہ کٹ مرتے تو پاکستان کفر و ارتداد کے نرغے میں ہوتا۔ ۱۹۵۲ء میں قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود نے وزیر خارجہ ظفر اللہ

خان کے ایماء پر اور بعض خفیہ طاقتوں کی شہ پر برملا کہا تھا کہ وہ صوبہ بلوچستان کو قادیانی صوبہ بنادیں گے۔ شہدائے ختم نبوت نے مرزائیوں کی اقتدار پر شب خون مارنے کی سازش کو اپنا لہو دے کر ناکام بنا دیا۔ ورنہ آج پاکستان میں دینی کام کرنے کی اتنی فضاء بھی باقی نہ رہتی۔ مولانا محمد اسحٰق سلیمی نے کہا کہ ختم نبوت کی

بھٹو نے مرزائیت کی جڑیں کاٹیں اور بے نظیر اس شجر خبیثہ کو پانی دے رہی ہے

تحریک پر گولیاں چلانے والے مسلم لیگی حکمرانوں کے ظلم اور سفا کی کو تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔ ہم شہدائے ختم نبوت کے خون کے وارث ہیں۔ ناموسِ رسالت کے منصب کے تحفظ کے لئے کٹ تو مریں گے۔ لیکن اس پر آنچ نہ آنے دیں گے۔

سید خالد مسعود گیلانی نے کہا کہ امریکی وزارت خارجہ اور انسانی حقوق کی علمبردار تنظیموں کا یہ دعویٰ کہ پاکستان میں قادیانیوں اور دیگر اقلیتوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ نہ صرف ہمارے اندرونی اور مذہبی معاملات میں مداخلت ہے۔ بلکہ سراسر خلاف واقعہ اور خلافِ حقیقت ہے۔ محمد عمر فاروق نے کہا کہ قادیانی اندرونِ ملک شعائر اسلام کا کھلے عام مذاق اڑا رہے ہیں۔ امتناعِ قادیانیت آرڈیننس کی خلافِ ورزی ہو رہی ہے۔ حکومت مرزائیوں کی پشت پناہی کر رہی ہے۔

مولانا محمد مغیرہ نے کہا کہ سرگودھا کے قریب کوٹ مومن اور کئی دوسرے مقامات پر مرزائیوں کا

حکمران اور سیاست دان دینی غیرت سے محروم ہیں

مسلمانوں پر حملہ آور ہونا اور مسجد میں داخل ہو کر طلباء پر مرزائیوں کا تشدد پولیس اور انتظامیہ کے ساتھ قادیانیوں کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے۔ حکومت نے اگر قادیانیوں کی سرگرمیوں کا مؤثر نوٹس نہ لیا تو مسلمان خود مرزائیت کا سر کچلنے کے لئے میدانِ عمل میں کود پڑیں گے اور پیش آمدہ حالات کی تمام تر ذمہ داری قادیانیوں اور حکومت پر عائد ہو گی۔ کانفرنس کی یہ نشست پرامن ماحول میں رات گئے تک جاری رہی۔

۲۲ مارچ جمعتہ المبارک کو کانفرنس کی دو نشستیں منعقد ہوئیں۔ جن کی صدارت کل جماعتی مجلسِ عمل تحفظ ختم نبوت کے سربراہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نے کی۔

۲۲ مارچ کو کانفرنس کا آغاز بعد نماز فجر حضرت پیر خورشید احمد ہمدانی قدس سرہ کے فرزند حضرت مولانا پیر سید محمد اسعد شاہ صاحب ہمدانی کے درسِ قرآن سے ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ امت مسلمہ کے زوال اور انحطاط کا اصل سبب قرآن سے بے تعلقی، دین سے دوری اور سنت نبوی ﷺ سے اعراض ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک ان بنیادوں کو مضبوط نہیں کیا جائے گا صحیح نتائج حاصل نہیں ہوں گے۔ اگر ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی میں مستعد ہو جائیں اور غیر مفاہمانہ رویہ اختیار کر لیں تو عظمت رفتہ بحال ہو سکتی ہے۔ شاہ صاحب کا درس تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔ کانفرنس کی دیگر نشستوں سے

ممتاز علماء کرام، احرار رہنماؤں اور تحریک ختم نبوت کے قائدین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ شہدائے ختم نبوت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم دعوت و تبلیغ کے ساتھ جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ مقررین نے کہا کہ ختم نبوت کا عقیدہ امتِ مسلمہ کی شہ رگ ہے۔ آخری نشست سے تحریک

اقلیتوں پر ظلم کا امریکی الزام پاکستان کے اندرونی اور مذہبی معاملات میں مداخلت ہے

ختم نبوت کے قائد سید عطاء المحسن بخاری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ لندن سے مرزا طاہر احمد کا یہ کہنا کہ ۱۹۹۶ء کے پہلے چار ماہ قادیانیوں کے لئے خوشخبری کی نوید ثابت ہوں گے...... قادیانیوں کو طفل تسلی دینے کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا کہ مرزا طاہر بالکل اطمینان رکھیں کہ آنے والے وقت کا ہر لمحہ منکرینِ ختم نبوت کی شکست کو ساتھ لا رہا ہے۔ جنوبی افریقہ کی عدالتِ عظمیٰ کا قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا تاریخی فیصلہ قادیانیوں کے لئے ۱۹۹۶ء کے پہلے چار ماہ کی پہلی "نوید" ہے۔ سید عطاء المحسن بخاری نے کہا کہ ۱۹۵۳ء میں دس ہزار انسانوں کے خون بے گناہی سے مسلم لیگی ہلاکوؤں نے ہولی کھیلی اور اپنے ڈوبتے اقتدار کو سنبھالا دیا۔ لیکن خون شہداء میں ملوث سیاستدانوں اور مسلم لیگی لیڈروں کو پھر اقتدار کبھی نصیب نہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ کل مسلم لیگ کے ظالم وڈیرے اپنی سیکولر ذہنیت کی وجہ سے مرزائیوں کے وڈیروں سے ساز باز کر کے انہیں اقتدار میں شریک کرنا چاہتے تھے۔ تو آج پیپلز پارٹی کے جاگیردار حکمران مرزائی کافروں کی ملی بھگت سے اپنے ڈوبتے اقتدار کو بچانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اقلیتوں کے دو اور مسلمانوں کا ایک ووٹ نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو مجلس احرار سخت مزاحمتی تحریک چلائے گی۔ انہوں نے کہا قائداعظم کے وارث ہونے کے دعویدار رابن رافیل جیسے روشن خیال ہونے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ قائداعظم جیسے روشن خیال ہی رہیں تو بہتر ہے۔ مجلس احرار اسلام کے مرکزی سیکرٹری جنرل پروفیسر خالد شبیر احمد نے کہا کہ امریکی استعمار اپنے ابلیسی ہتھکنڈے کلچر کے نام پر امت مسلمہ کے زخمی دل میں گاڑنے کی سازش میں مصروف ہے۔ حکمرانوں کی اسلام دشمنی کی وجہ سے امریکی استعمار نے پاکستان میں برطانوی استعمار کی جگہ لے لی ہے۔ رابن رافیل نے صرف ہماری ملکی سیاست میں مداخلت نہیں کی۔ بلکہ اس نے ہماری دینی حدود کو پائمال کرنے کی

دینی قوتوں نے مل بیٹھ کر مشترکہ لائحہ عمل اختیار نہ کیا تو خطرناک کشیدگی جنم لے گی

جرات کی ہے۔ اس صورتحال میں دینی قوتوں کا خاموش تماشائی بننا، مفادات کی گروہی سیاست کرنا، اور اسلام کی بجائے جمہوریت جیسے کفریہ نظام کے لئے اپنی توانائیاں صرف کرنا خود کشی کے مترادف ہے۔ مولانا ابو ریحان عبدالغفور نے کہا کہ پاکستان میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ قربانیاں تحفظ ختم نبوت کے لئے دیں۔ یہ عقیدہ مسلمانوں کی وحدت کا مرکز ہے۔ منکرینِ ختم نبوت یہود و نصاریٰ کے مہرے کے طور پر اکھنڈ بھارت کے لئے کام کر رہے ہیں۔ چودھری ظفر اقبال ایڈووکیٹ نے کہا کہ قادیانیوں کے بارے میں نرم

(بقیہ ص ۴۹ پر)

جناح ھال لاہور میں سالانہ شہداء ختم نبوت کانفرنس میں حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری، جسٹس (ریٹائرڈ) محمد رفیق تارڑ، پروفیسر خالد شبیر، مولانا زاہد الراشدی، نذیر احمد غازی ایڈووکیٹ، ظفر اقبال ایڈووکیٹ اور عبداللطیف خالد کا خطاب

مجلس احرار اسلام اگر قادیانیوں کا تعاقب نہ کرتی تو آج پاکستان قادیانی سٹیٹ ہوتا

مجلسِ احرارِ اسلام لاہور کے زیر اہتمام ۷ مارچ ۱۹۹۶ء بروز جمعرات بعد نمازِ مغرب جناح ہال میں سالانہ شہداءِ ختمِ نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس کی صدارت ابن امیرِ شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری نے کی اور محترم پروفیسر خالد شبیر احمد (ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پاکستان) مہمانِ خصوصی تھے۔ کانفرنس سے جسٹس (ریٹائرڈ) محمد رفیق تارڑ ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا زاھد الراشدی، جناب نذیر احمد غازی ایڈوکیٹ، جناب رشید مرتضیٰ قریشی، چودھری ظفر اقبال ایڈوکیٹ، جناب عبداللطیف خالد چیمہ، مولانا محمد اسمٰعیل شجاعبادی اور مولانا محمد یوسف احرار نے خطاب کیا۔

مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی نائب امیر حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا کہ جن لوگوں نے عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کےلئے اپنی جانیں قربان کیں وہ حقیقتاً امت مسلمہ کے محسن ہیں۔ مجلسِ احرار اسلام شہداء ختمِ نبوت کا مشن جاری رکھے گی۔ پروفیسر خالد شبیر نے کہا کہ محاسبۂ قادیانیت کی تاریخ ساز جدوجہد مجلس احرار اسلام کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ تحفظ ختمِ نبوت کے محاذ پر مسلمانوں کی کامیابی اکابرِ احرار کے خلوص اور ایثار کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کا نوٹس لیتے ہوئے کہا کہ قادیانی خواہ کچھ بھی کرلیں انہیں کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا۔ دینی جماعتیں ان کا تعاقب جاری رکھیں گی۔ جناب نذیر احمد غازی ایڈووکیٹ نے کہا کہ محبت رسول ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان قادیانیت کے محاذ پر اپنی تمام توانائیاں صرف کر دے۔ رشید مرتضیٰ قریشی ایڈوکیٹ نے کہا کہ پاکستان کو سب سے زیادہ نقصان قادیانی پہنچا رہے ہیں۔ چودھری ظفر اقبال ایڈوکیٹ نے کہا شہداء ختمِ نبوت کا پیغام یہ ہے کہ عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کےلئے جان کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا جائے جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ قادیانی ملک وملت اور دین کے غدار ہیں ان کا یہ جرم اتنا بھیانک ہے کہ انہیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔ قادیانیوں کے لئے معافی کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے عقائد سے توبہ کرلیں اور عقیدۂ ختمِ نبوت کو حرزِ جاں بنالیں۔ جسٹس (ریٹائرڈ) محمد رفیق تارڑ صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ

اس بابرکت محفل میں شرکت کا اعزاز میرے لئے توشۂ آخرت ہے۔ اسے ۱۹۵۳ء کے ان شہدائے ختم نبوت کے مقدس خون کی خوشبو معطر کئے ہوئے ہے جنہوں نے ناموس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی

جانیں قربان کر دیں۔ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے سینے اس وقت کے فرعونوں کے سامنے رتبۂ شہادت کے حصول کے لئے کھول دیئے اور شہدائے بدر و احد کی پیروی کرتے ہوئے

ع ۔۔۔۔۔ باطل کو ہر محاذ پر ناکام کر گئے

۱۹۵۲ء میں آنجہانی موسیو بشیر الدین نے سر ظفر اللہ آنجہانی کے ذریعہ فرنگیوں کی شہ پا کر اور افواج پاکستان میں قادیانی جرنیلوں کی درپردہ سازشوں پر بھروسہ کرتے ہوئے لاکھوں جانوں اور ہزاروں عصمتوں کی قربانی دیکر حاصل کی گئی اس مملکت خداداد کو "احمدی سٹیٹ" یا کم از کم اس کے ایک صوبہ بلوچستان کو "احمدی صوبہ" بنانے کا برملا اعلان کر دیا۔ حضرت امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سمیت تمام علمائے حق نے اپنی مومنانہ فراست سے اس فتنہ کے حقیقی خدوخال کو بھانپ لیا اور اس کا قلع قمع کرنے کے لئے ساری ملت اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بے مثال تلاوت اور سحر آفرین خطابت سے اس نبوت کاذبہ کے بخیئے اُدھیڑ دیئے جسے بے شمار تاویلوں اور جعلسازیوں کے سہارے فرنگی اقتدار کے زیر سایہ "زندہ اسلام" کے نام پر پیش کرنے کی جسارت کی گئی تھی۔ آپ نے توفیق ایزدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں ایسا جذبہ پیدا کر دیا کہ ۱۹۵۳ء کے انہی دنوں میں دس ہزار سے زائد نہتے نوجوان کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آن پر قربان ہو کر نبوتِ کاذبہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک گئے۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ کی اطاعت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور انگریز سے نفرت میرا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ میرا معبود، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے محبوب اور انگریز میرا مغضوب ہے۔" انگریز کی خود کاشتہ نبوت ہمیشہ شاہ جی کے تابڑ توڑ حملوں کی زد میں رہی اور انہوں نے اسے عمر بھر اپنے پاؤں کی ٹھوکر میں رکھا۔ قادیانیوں کی مہینوں پر پھیلی ہوئی ارتدادی کوششیں شاہ جی کی ایک ہی تقریر سے دم توڑ جاتیں۔ انکی نبوت کا تانا بانا بکھر جاتا اور وہ دُم دبا کر بھاگ جاتے۔ جن حضرات نے شاہ جی کو نہیں سنا۔ وہ انکی تقریر کے بانکپن کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ملک بھر کے نامور شعراء نے شاہ جی کی سحر طراز خطابت کو اپنے اپنے انداز میں بھرپور خراج تحسین پیش کیا ہے۔

شہداء ختم نبوت امت مسلمہ کے محسن ہیں

شاہ جی کے شاگرد خاص آغا شورش مرحوم و مغفور نغمہ سنج ہیں۔

خطیبِ اعظم عرب کا نغمہ عجم کی لے ہیں سنا رہا ہے
سرِ چمن چہچہا رہا ہے سرِ وفا مسکرا رہا ہے

حدیثِ سر و دسمن نچھاور، زبان شمشیر اس پہ قرباں
مسیلمہ ایسے جعل سازوں کی بیخ و بنیاد ڈھا رہا ہے
قرونِ اولیٰ کی رزمگاہوں سے مرتضیٰؓ کا جلال لے کر
دبیز نیندیں جھنجھوڑتا ہے مجاہدوں کو جگا رہا ہے
ہیں اس کی للکار سے ہراساں، محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے باغی
دغا کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں، فہیم دندنا رہا ہے

یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ۱۹۵۳ء کی مقدس تحریک ناکام ہو گئی تھی۔ اس تحریک میں تحفظِ ناموسِ رسالت کا جو جذبہ پیدا ہوا۔ اسی کا تسلسل ۱۹۷۴ء کی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کر گیا۔

وطن عزیز سے قادیانیوں کا عمل دخل اگرچہ بظاہر ختم ہو چکا ہے اور ان کا پوپ اپنے دادا کی نبوت کے بانیوں کے دیس میں پناہ گزیں ہے مگر اس کی ریشہ دوانیاں بدستور جاری ہیں۔ اس نے کھلے لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ پاک فوج کے اسلامی شعائر کے پابند فوجی افسروں کو اسی نے گرفتار کروایا ہے۔ قادیانی لوگ، یہودی اور عیسائی حکومتوں کی مدد سے دنیا بھر کے مسلمانوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم سے تعلق توڑنا یا کمزور کرنا چاہتے

محاسبہ قادیانیت کی تاریخ ساز جدوجہد مجلس احرار اسلام کا سب سے بڑا اعزاز ہے

ہیں۔ یہ حکومتیں مذہبی تعصب سے اندھی ہو کر ہر طریقہ سے مسلمانوں کو ذلیل و رُسوا کرنے کے در پے ہیں۔ اسلام نے حضرت مریم صدیقہ اور ان کے بیٹے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہودیوں کے الزامات اور ہرزہ سرائی کی بھرپور مذمت کی۔ جس کے لئے انہیں اسلام کا ممنون ہونا چاہیئے تھا مگر برطانیہ اور دوسری عیسائی حکومتوں نے رسوائے زمانہ سلمان رشدی ملعون کو اس لئے VIP کا اعزاز دیا ہوا ہے کہ اس شیطان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کی ہیں۔ اسی طرح کا معاملہ ایک بدکار عورت تسلیمہ کا ہے۔ وطن عزیز میں عیسائی حکومتوں کے عمل دخل کا یہ عالم ہے کہ جب دو عیسائیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے الزام میں سزا ہوئی تو پوری عیسائی دنیا چلا اٹھی۔ انکی اپیل سزا یابی کے دو ہفتے گزرنے سے بھی پہلے سماعت ہو گئی اور انہیں VIP اعزاز کے ساتھ بیرون ملک بھیج دیا گیا۔ جبکہ مسلمان سزا یافتگان کی اپیلوں کی تو بات چھوڑیئے وہ تو تین، تین، چار، چار سال سے معرضِ التوا میں پڑی ہیں۔ یہاں تو مسلمان اسیروں کی ضمانتوں کی درخواستیں جن پر ابھی کوئی جرم ثابت نہیں ہوا۔ تین، تین اور پانچ، پانچ جج صاحبان کے بینچوں میں ہفتوں اور بعض اوقات مہینوں زیر سماعت رہتی ہیں اور کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا۔

پہلے اگر کسی کو شک تھا کہ اس ملک میں مسلمان اور غیر مسلم برابر کے شہری ہیں تو اب یہ شک غیر مسلموں کو دُہرے ووٹ کے حق کے بعد رفع ہو جانا چاہیئے۔ جو کچھ ارادے ظاہر کئے جا رہے ہیں اگر خدانخواستہ انہیں عملی جامہ پہنا دیا گیا تو ہم سب کا ایک ایک ووٹ اور قادیانیوں سمیت تمام غیر مسلموں کے دو، دو ووٹ ہونگے اور وہ

(بقیہ ص ۴۰ پر)

وزارت اطلاعات کے ادبی مجلہ "ماہ نو" میں توہین رسالت پر مبنی مواد کی اشاعت

مرزائی مقالہ نگار نے مرزا قادیانی کو بے مثال نعت گو اور عاشق رسول لکھا ہے

ماہ نو کا مذکورہ شمارہ ضبط کیا جائے اور ذمہ دار افراد کے خلاف مقدمہ درج کیا جائے

حضرت مولانا خواجہ خان محمد اور سید عطاء المحسن بخاری کا مشترکہ بیان

آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے سربراہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ (سجادہ نشین کندیاں شریف) اور مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما سید عطاء المحسن بخاری نے ایک مشترکہ بیان میں انکشاف کیا ہے کہ سرکاری سرپرستی میں شائع ہونے والے لاہور ایک ماہنامے میں توہین رسالت پر مبنی مواد شائع کیا گیا ہے۔ ان رہنماؤں کے مطابق لاہور سے شائع ہونے والے وزارت اطلاعات و نشریات کے ادبی ماہنامے "ماہ نو" کے تازہ شمارہ (سالنامہ جنوری / فروری ۹۶ء) میں مرزائیوں کے پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی کو (معاذاللہ) عاشق رسول ثابت کیا گیا ہے۔ ایک مفصل مقالے میں قادیانی مقالہ نگار پروفیسر پرویز پروازی نے مرزا قادیانی کو (خاکم بدہن) آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک کے صحیح مقام کا ادراک رکھنے والا برصغیر کا بے مثال نعت گو کہا ہے۔ مقالہ نگار نے انتہائی دیدہ دلیری اور ناپاک جسارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھلے لفظوں میں مرزا قادیانی کو (نعوذباللہ) ایک صوفی مسلک دینی بزرگ کہا ہے اور صریح کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ مرزا کی لکھی ہوئی "نعتیں" عرب ممالک میں احترام سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ اور برصغیر میں بھی مرزا کی "نعتیں" صوفیاء میں مقبول ہو رہی ہیں۔ مزید برآں مقالہ نگار نے سرائیکی کے عظیم صوفی شاعر حضرت خواجہ غلام فرید پر تہمت لگائی ہے کہ وہ مرزا کی نعتیں بطور خاص سنتے اور وجد کیا کرتے تھے۔ مقالہ نگار نے مرزا قادیانی کی شاعری کو دینی موضوعات، ملت اسلامیہ کے مسائل اور حمد و نعت پر مبنی قرار دیا ہے۔ غرضیکہ یہ سارا مقالہ سراسر انتہائی گستاخانہ، گمراہ کن، اشتعال انگیز اور فریب کارانہ مواد پر مشتمل ہے۔ جس کے ذریعہ ایک ادبی عنوان کی آڑ میں مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت اور رسوائے زمانہ شخصیت کو تقدس اور احترام عطا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو کہ کھلم کھلا توہین رسالت بھی ہے اور آئین کی بے حرمتی بھی۔ ان رہنماؤں نے کہا ہے کہ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ایسا گستاخانہ مواد ایک سرکاری جریدے میں شائع ہوا ہے جو کہ کسی طے شدہ منصوبے کا حصہ لگتا ہے۔

اقلیتوں سے متعلق حکومتی پالیسیاں پہلے ہی دینی حلقوں میں اضطراب اور اشتعال کا باعث ہیں۔ بہت سے دینی حلقوں کا یہ دعویٰ بھی درست معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں یہ سب کچھ بیرونی طاقتوں کے اشاروں پر ہو

(بقیہ ص ۴۰ پر)

ماضی کے جھروکے سے　　　　　　حفیظ رضا پسروری

شاہ جی اور علامہ انور صابری

علامہ انور صابری مرحوم، مجلس احرار اسلام کے مخلص اور بہادر رہنما تھے، آپ ایک قادر الکلام شاعر اور بدیہہ گوئی میں اعلیٰ مقام اور صلاحیتوں کے حامل تھے، اس کے ساتھ آپکا ترنم اور شاعرانہ خدوخال ازحد کشش کے باعث تھے۔ آپ دیو بند (یوپی) کے رہنے والے تھے اور اکابر دیوبند کے نیاز مندوں میں انہیں منفرد حیثیت حاصل تھی۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔

مجلس احرار اسلام نے جب مشہور "فوجی بھرتی بائیکاٹ ریزولوشن" پاس کیا تو امیر شریعت نے سارے برصغیر کا دورہ شروع کیا۔ جب وہ لکھنؤ پہنچے اور وہاں ایک بڑے جلسہ سے خطاب کیا تو علامہ انور صابری بھی وہاں موجود تھے۔ وہ شاہ جی کی شخصیت اور کمال خطابت سے ازحد متاثر ہوئے اور اسی دن سے مجلس احرار اسلام کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ اس وقت سے لیکر آزادی کا سورج طلوع ہونے تک وہ مجلس احرار کی تمام کانفرنسوں اور اہم اجلاسوں اور جلسوں میں شریک ہوتے رہے ان کا زیادہ وقت یوپی کی بجائے پنجاب میں گذرنے لگا۔ نیاز مندی میں شاہ جی کے اشارہ ابرو کے منتظر رہتے تھے۔ شاہ جی آپکی شاعرانہ عظمت کے ازحد معترف تھے اور ان دونوں میں گل و بلبل کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔

۱۹۴۶ء میں انور صابری، انجمن تبلیغ الاسلام چونڈہ (سیالکوٹ) کے جلسہ میں شرکت کے لئے آئے تو شاہ جی کے لئے شاد عظیم آبادی مرحوم کا مطبوعہ کلام جو پٹنہ سے ایک پبلیشنگ ہاوس نے نہایت اہتمام سے شائع کیا تھا، ساتھ لائے۔ شاہ جی بھی اس جلسہ میں شرکت کے لئے اور بالخصوص حضرت مدنی کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ انور صابری نے شاد عظیم آبادی کا مطبوعہ کلام پیش کرتے ہوئے فی البدیہہ مترنم شعروں میں اسے شاہ جی کو پیش کیا جسکا مصرعہ ابتک میرے ذہن میں موجود ہے۔

کلام شاد کو نذر عطاء اللہ کرتا ہوں

شاہ جی اور دوسرے حضرات ازحد محظوظ و مشکور ہوئے

۱۹۵۷ء میں پی آئی اے مشاعرہ کراچی میں شرکت کے بعد، انور صابری لاہور آئے اور ایک روز میرے ہاں قیام کیا۔ وہ ملتان جانے کے لئے بہت بیتاب تھے مگر حکومت کی طرف سے بوجوہ اجازت نہیں مل رہی تھی۔ چنانچہ واپس دہلی روانہ ہوتے ہوئے شاہ جی کے نام دو رقعے لکھ کر مجھے دے گئے کہ میں انہیں ان تک پہنچا دوں!

انہوں نے لکھا

صاحبِ عشق، حسنِ مجسم کے نام!

ہو گئیں حائل نظارۂ شوق
آہ! کتنی عظیم دیواریں

اک کشتۂ غمِ آرزو تیرا نام لے کے یہ کہہ گیا
ترے غم سے ہے مری زندگی، ترے غم کی عمر دراز ہو

میں نے ملتان کی ایک حاضری میں یہ امانت شاہ جی تک پہنچا دی، پڑھتے رہے اور بار بار پڑھتے رہے اور میں ان کی آنکھوں میں حسرت و غم سے رکے ہوئے آنسو دیکھ رہا تھا۔

آنسو تو وہی اک قطرہ ہے جو آنکھ تک آئے بہہ نہ سکے

انور صابری بھی چند سال قبل دہلی میں انتقال کر گئے۔ آخری بار جب جانباز مرزا مرحوم انہیں وہاں ملے تو انہوں نے بتایا کہ وہ شاہ جی اور دیگر اکابر احرار کی یاد اور تذکرہ میں اس حد تک آبدیدہ ہو گئے کہ ان کی ہچکی بندھ گئی۔

اور اب..... شاہ جی، انور صابری، جانباز مرزا اور دیگر اکابر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رہے نام اللہ کا!

اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر

☆ ☆

(بقیہ از ص ۴۳)

گوشہ رکھنے والے حکمران اور سیاستدان دینی و قومی غیرت سے عاری ہیں۔ قاری محمد یوسف احرار نے کہا کہ ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کے پروانوں پر گولیاں برسانے والوں سے خیر کی توقع عبث ہے۔ کانفرنس سے حاجی محمد اشرف تائب، حافظ کفایت اللہ، شاہد بٹ، مولانا زکریا کلیم، قاری محمد ادریس، مولانا ضیاء الدین، مولانا عزیز الرحمن خورشید، غلام محمد نیازی، حافظ محمد اکرم، کپتان غلام محمد، رانا محمد اکمل، اور متعدد دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا۔ کانفرنس میں متعدد قراردادیں منظور کی گئیں۔ جن میں مطالبہ کیا گیا کہ امتناعِ قادیانیت آرڈیننس پر سختی سے عمل درآمد کرایا جائے۔ ربوہ اور دیگر شہروں میں اسلامی شعائر کے استعمال سے قادیانیوں کو روکا جائے۔ کراچی میں قتل و غارت گری بند کرائی جائے اور حکومت امن و امان کی صورتحال کو کنٹرول کرے۔ سرگودھا کے موضع کوٹ مومن اور چکوال کے علاقہ ڈوالمیال میں قادیانیوں کی اشتعال انگیز کارروائیوں کا نوٹس لیا جائے اور قادیانی شرپسندوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ ربوہ میں سرکاری ہسپتال قائم کیا جائے۔ ربوہ کے بعض سرکاری پلاٹوں پر قادیانیوں کا ناجائز قبضہ ختم کرایا جائے۔ ربوہ کے سرکاری اہلکاروں کو قادیانیوں کے دباؤ سے آزاد کرایا جائے۔ ارتداد کی شرعی سزا نافذ کی جائے۔ سول اور آرمی کے کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو برطرف کیا جائے۔ بیرون ممالک قادیانیوں کے پاکستان دشمن پروپیگنڈے کے تدارک کے لئے سفارتی سطح پر موثر اقدامات کئے جائیں۔ کانفرنس حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہم العالی کی طویل دعاء کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

حافظ لدھیانوی

حمدِ باری تعالیٰ

عطا تو نے کیا ہے مجھ کو درد و سوزِ پنہانی   بیاں کی زد میں آسکتی نہیں ہے لطفِ ارزانی

ہے سب کچھ تیری قدرت میں تو مالک بحروبر کا ہے   اڑاتا ہے ہوا کے دوش پر تختِ سلیمانی

دیا ہے آخری منشور تو نے ابنِ آدم کو   ہے سب کا رہنمائے زندگی ہر حرفِ قرآنی

نظر آتے ہیں ہر اک گام جلوے تیری قدرت کے   کہ جن کو دیکھ کر رہتا ہے انساں غرقِ حیرانی

سوادِ صبح کا منظر ہو یا ہو شامِ رنگیں کا   نظر آئی ترے انوار سے ہر چیز نورانی

کرم کا سلسلا ہوتا ہے میری شعر گوئی میں   ہے میری حمد میں افکارِ تازہ کی فراوانی

کیا ہے قصد جب حافظ نے تیری نعت گوئی کا
نظر آئی اسے فکر و نظر کی تنگ دامانی

☆☆

شورش کاشمیری مرحوم

شاہ جی یاد آتے ہیں!

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

زمانہ ہوگیا لیکن برابر یاد آتے ہیں
ہمیں تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

خطابت کیا تھی اس کی ارتباطِ نورو نغمہ تھا
وہ اس کی نکتہ آرائی کے تیور یاد آتے ہیں
وہ اس کی یادِ پُر عظمت کبھی دل سے نہیں جاتی
خطیبانہ افق کے ماہ و اختر یاد آتے ہیں

وہ تھا پنجاب میں میرِ سپاہِ جہدِ آزادی
خدا شاہد ہے اس کے لاؤ لشکر یاد آتے ہیں
جنہیں اس کی نواؤں نے بلا کی تازگی بخشی
وہ سب حلقہ بگوشانِ پیمبر یاد آتے ہیں

ہمہ دانی ، بلاغت ، طنطنہ ، الفاظ کا جادو
خطابت کی دل آویزی کے منظر یاد آتے ہیں
رسول اللہ کا آغوشِ رحمت ہے مقام اس کا
اسی باعث تو اے شورش وہ اکثر یاد آتے ہیں

(۲۱ اگست ۱۹۷۴ء)

ڈاکٹر تاثیر مرحوم (ادارہ)

"بیم ورجاء"

دل است بندہٗ "احرار" و جاں اسیرِ فرنگ
نہ بہرہٗ ہمہ صلح و، نہ چارہٗ ہمہ جنگ

میانِ کعبہٗ و "بت خانہ" عرصہٗ یک گام
میانِ شیخ و برہمن، ہزار ہا فرسنگ

نمود سر بسر اظہار و کوہکن یکتن
ہزار پیکرِ شیریں، فسرد در رگِ سنگ

بیا کہ خاوریاں نقشِ تازہ تر بستند
بیا کہ با زستانیم افسرد ورنگ

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سے ڈاکٹر تاثیر مرحوم کے نیازمندانہ اور گہرے مراسم تھے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے دوران حضرت امیر شریعت دہلی پہنچے تو ڈاکٹر تاثیر سے جو ان دنوں سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں وہیں پہ مقیم تھے ملاقات ہوئی، روانگی کے وقت تاثیر مرحوم نے بطور ہدیہ یہ اشعار تانگہ پر سوار ہوتے وقت شاہ جی کی خدمت میں پیش کئے اور اپنے مخصوص و معروف انداز میں پڑھ کر بھی سنائے۔ مرحوم کے انتقال کی جس روز خبر آئی تو حضرت شاہ جی تاثیر کی یاد میں آبدیدہ ہو گئے اور نہایت وارفتگی کے عالم میں یہ اشعار پڑھتے رہے۔ جس سے مرحوم کے افکار و نظریات اور جذبات و احساسات پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے کہ وہ کس ڈھنگ کے آدمی تھے اور ماحول نے انہیں کس ڈگر پہ ڈالے رکھا۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

جانشینِ امیر شریعت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ

''وقت کی آواز''

کپکپاتی ہیں اگر وحشتیں ڈرتے کیوں ہو؟
طلعتِ شوق کی تنویر یونہی ہوتی ہے
چشمِ ایام سے خوں بن کے برستا ہے جلال
جب وہ اخلاف کی نکبت پہ لہو روتی ہے
دورِ ماضی کا جہانتاب وہ عہدِ زرّیں!
دُرجِ تاریخ کا یکتا و گراں موتی ہے
ہے یہ دنیا و جہاں مزرعِ عقبیٰ لاریب
حاصلِ عمر ہے تدبیر جسے بوتی ہے
تم میں مفقود ہے گر عزمِ مکافاتِ عمل
پھر نہ دو طعنہ کہ تقدیر پڑی سوتی ہے

✻

جب کِھلا غنچۂ ایقاں تو فسوں زار جہاں
صورتِ برق طپاں شعلہ فشاں بھڑکے گا
جب جلی تیرگئی یاس میں شمعِ امید
ظلمتوں میں بھی تجلّی کا سماں پھڑکے گا
فکر بدلیں گے، نظر بدلے گی، تم بدلو گے!
پھر تو کردار میں ایثارِ نہاں دھڑکے گا

میں تو کہتا ہوں طواغیت تڑپ اٹھیں گے
دستِ الہام سے جب عقل کا در کھڑکے گا
بجلیاں ظلم کی گرتی ہوئی رک جائیں گی
اتنی شدت سے رعد فغاں کڑکے گا

*

وقت کے قصر میں فغفور و سکندر ہی نہیں
میرے دامن میں خلافت بھی ہے جمہور بھی ہیں
میری منزل کا نشاں نجم سحر ہی تو نہیں
میری وادی میں کئی مہرفشاں طُور بھی ہیں
نالۂ دل، دودِ فغاں ہی نہیں میری نوا
میری آواز میں پنہاں کئی منشور بھی ہیں
میری نظروں میں ہیں دہقان و عوام و مزدور
چُبھتے نشتر بھی ہیں، رِستے ہوئے ناسور بھی ہیں
میرے افکار کی پہنائیاں دیکھو کہ یہاں
دین و دنیا کے قوانین ہیں دستور بھی ہیں

*

☆ ☆

حبیب الرحمٰن بٹالوی

"لفظوں کی یہ کھیتی باڑی"

سرجن ہو گا، نشتر ہو گا روگی کبھی نہ بہتر ہو گا
دل میں کھوٹ کا ایک سمندر چہرہ بُشرہ سُندر ہو گا
خوفِ خدا، نہ دین کی عظمت کیا مُلّا، کیا مسٹر ہو گا
آج کا دولت ثروت والا کل کا مہتر کہتر ہو گا
لفظوں کی ہے کھیتی باڑی شعر کا جنتر منتر ہو گا
عورت بے بس، ظالم شوہر بَھور نگر کا بندر ہو گا
بھور نگر کی نرتکیوں میں بچھو ہو گا، اژدر ہو گا
چلتا، پھرتا، کھاتا، پیتا دو پاؤں کا ڈنگر ہو گا
پیٔر، مریدوں کے جھرمٹ میں غلہ دشمن لشکر ہو گا
جس جا اس کی نیّا ڈوبی نین نگر کا کنٹر ہو گا
شہد بھی کڑوا دودھ بھی کالا اپنے دور میں اکثر ہو گا
ان پڑھ گیانی کے چیلوں کو ایک شبد نہ از بر ہو گا

اہلِ چمن کی خیر ہو مولا!
رہزن کب تک رہبر ہو گا؟

پروفیسر محمد اکرام تائب

رنگِ سخن

ایک بیوہ پر ستم کی داستاں ہے زندگی
ایک بوسیدہ کرائے کا مکاں ہے زندگی

کس طرح بچ کر بھلا گزرے گا اپنا کارواں
ڈاکوؤں اور قاتلوں کے درمیاں ہے زندگی

قتل، اغوا، رہزنی، جنگ و جدل، دھوکا، فریب
زندگی پر آج خود نوحہ کناں ہے زندگی

مار ڈالا حادثاتِ زندگی نے دوستو!
امتحاں در امتحاں ہے زندگی

کچھ نہ کرنے پر بھی مل جاتے ہیں تمغے آجکل
اب تو بس زورِ قلم، زور بیاں ہے زندگی

زندگی تو مر چکی ہے زندگی کے ہاتھ سے
پوچھتے ہیں زندگی سے ہم، کہاں ہے زندگی

زندگی کیا شے ہے تائب جا کے مزدوروں سے پوچھ
خوں، پسینہ، دُھول، بدبو اور دھواں ہے زندگی

محترمہ انجمن آرا صدیقی

ہنی مون

ویسے تو زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر تقریباً ہر شخص سفر ضرور کرتا ہے۔ اسکی نوعیت عارضی ہو یا مستقل، مقصد سیر و تفریح ہو یا کچھ اور۔ مگر جب یہی سفر ایک نو بیاہتا جوڑا شادی کے بندھن میں بندھ جانے کے فوراً بعد سیر و تفریح اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی غرض سے اختیار کرتا ہے تو اسے عرفِ عام میں ہنی مون کہا جاتا ہے۔ یہ ہمارے شادی بیاہ کی رسوم میں بے حد اہم جزو کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اگرچہ اسکی تاریخ کوئی زیادہ پرانی نہیں اور اسکی تاریخی اور مذہبی حیثیت بھی کوئی نہیں، اس کے باوجود یہ ہماری خاندانی اور سماجی زندگی میں بڑی سرعت سے ایک وبا کی صورت رواج پا رہا ہے اور عام ہوتا جا رہا ہے۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ملک باقی بچا ہو جہاں شادی کے فوراً بعد ہنی مون پر جانے کا رواج عام نہ ہو۔ اب تو معاشرتی، معاشی ادارے اور متعدد کمپنیاں بھی اپنے ملازمین اور کارکنان کے لئے ہنی مون کا باقاعدہ اہتمام کرتی ہیں۔ ہنی مون بلاشبہ رواں صدی کی پیداوار ہے۔ اس کا ماضی بعید میں کوئی سراغ اور وجود نہیں ملتا۔ نہ مشرقی تہذیب میں اور نہ ہی اس صدی سے پہلے مغربی تہذیب میں۔ تمام مذاہب اور ادیان بھی ہنی مون کے تصور سے یکسر خالی نظر آتے ہیں۔ البتہ کہا جاتا ہے کہ مغرب میں کسی منچلے نو بیاہتا جوڑے نے ہنی مون رچا کر اسکی بنیاد رکھی جسکی تقلید میں یہ لامتناہی سلسلہ شروع ہو کر پھیل گیا۔ اور اب تو شادی بیاہ کے دوسرے لوازم اور رسوم میں یہ بھی جزولاینفک کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اسکے بغیر شادی ادھوری سمجھی جاتی ہے۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اسکا اطلاق ہمارے مشرقی ماحول اور اسلامی، سماجی طرز زندگی میں مناسب بھی ہے یا کہ نہیں۔ مغرب کی اندھی تقلید میں ہنی مون کو ہم نے اپنی زندگی میں یوں رچا بسا لیا ہے جیسے یہ ہمارے معاشرتی زندگی کا اٹوٹ انگ ہو۔ حالانکہ اس کے نام سے ہی صاف ظاہر ہے کہ اسکی بنیاد مشرق میں نہیں بلکہ مغرب میں ڈالی گئی ہے۔ کسی شخص نے یہ جاننے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی کہ ہمارے معاشرتی اور خاندانی نظام میں اسکی گنجائش ہے یا نہیں۔ بس اسے من و عن اپنا لیا، شائد اسی کا نام بھیڑ چال ہے۔

مغربی معاشرے میں شرم و حیا، عصمت اور عزت و غیرت کا کوئی خاص تصور نہیں۔ اور شادی بیاہ میں عزیز و اقارب، دوست احباب، محلے داروں کے رویوں اور انکی عملی شرکت کا تصور مختلف ہے۔ مغرب کا نو بیاہتا جوڑا عام طور پر ماں باپ سے الگ گھر میں رہائش پزیر ہوتا ہے۔ وہ چرچ سے شادی کے بعد براہ راست اپنے ایک مکان یا کمرے میں منتقل ہو جاتا ہے۔ پھر ہنی مون پر روانہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ ہمارا تہذیبی ماحول اور دینی اقدار اس کے بالکل برعکس ہیں۔ اور ہنی مون سے راحت و سکون حاصل ہونے کی بجائے بے شمار مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کے تدارک کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہانا پڑتا ہے۔ ہنی مون کی تھوڑی سی خوشی ..... عارضی یا مستقل سزا یا پچھتاوے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مسرت و شادمانی اور سکونِ دل

(بقیہ ص ۳۵ پر دیکھیں)

ترحیم
ادارہ

مسافرینِ آخرت

محترم پروفیسر محمد عباس نجمی اور بھائی رشید احمد کو صدمہ:

تحریکِ طلباءِ اسلام پاکستان کے سابق مرکزی صدر اور گورنمنٹ کالج لاہور میں شعبہ پنجابی کے استاد پروفیسر محمد عباس نجمی اور چیچہ وطنی سے ہمارے رفیقِ فکر محترم بھائی رشید احمد صاحب کے سسرجناب چودھری غلام حسین چیمہ گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔

محترم خورشید عباس گردیزی کو صدمہ:

جمعیۃ علماءِ اسلام کے رہنما محترم سید خورشید عباس گردیزی کی خوشدامن صاحبہ گزشتہ دنوں ملتان میں انتقال کر گئیں۔

سید نواب علی شاہ صاحب مرحوم:

مجلس احرارِ اسلام ملتان کے قدیم کارکن اور محترم سید اختر علی شاہ صاحب کے برادرِ اصغر جناب سید نواب علی شاہ صاحب ۷ مارچ کو ملتان میں ٹریفک کے ایک حادثہ میں جاں بحق ہوگئے۔ مرحوم ایک مخلص دینی کارکن تھے۔ حضرت ابوذر بخاری رحمہ اللہ سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا اور انہی کے مواعظ و خطبات سن کر ان میں اعتقادی و فکری پختگی آئی تھی۔

ماسٹر ملک جمعہ خان مرحوم:

مجلس احرارِ اسلام ڈیرہ اسمٰعیل خان کے انتہائی مخلص کارکن محترم ماسٹر ملک جمعہ خان ابن غلام اکمل قوم ارائیں (ساکن چاہ چناوڑ والا) ٦ ذوالقعدہ ١٤١٦ھ ٢٦ مارچ ١٩٩٦ء انتقال کر گئے۔ مرحوم جانشینِ امیر شریعت رحمہ اللہ کے حلقۂ خاص میں سے تھے۔

محترم محمد مشتاق صاحب کو صدمہ:

مجلس احرار اسلام ڈیرہ اسمٰعیل خان کے معاون محترم محمد مشتاق صاحب (صدیقی کیمیکل) کی ہمشیرہ ۷ ذوالقعدہ کو رحلت کر گئیں۔

شہید عابد الرحمن مرحوم:

سکھر سے ہمارے بہت ہی کرم فرما محترم مولانا عبدالرحمن نادم کے جواں سال فرزند عزیز عابد الرحمن گزشتہ دنوں مقبوضہ کشمیر کے جہاد میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔ مولانا عبدالرحمن کے لئے بیٹے کی جدائی صدمہ بھی ہے اور خوشخبری بھی کہ وہ اللہ کی راہ میں کام آگئے اور آخرت میں بلند درجہ پر فائز ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ انہیں صبر عطاء فرمائے اور یہ صبر توشۂ آخرت بنائے (آمین)

مولانا قاری عبدالحی عابد کو صدمہ:

محترم مولانا قاری عبدالحی عابد اور مولانا محمد ضیاء القاسمی کی والدہ ماجدہ گزشتہ دنوں رحلت فرما گئیں۔

والدہ صاحبہ طارق حفیظ:

ممتاز نعت خواں صوفی حفیظ جالندھری مرحوم کی بیوہ اور عزیزم طارق حفیظ (ساہیوال) کی والدہ ماجدہ گزشتہ ماہ انتقال کر گئیں۔

عبدالواحد ڈوگر مرحوم:

چیچا وطنی میں ہمارے مہربان بھائی محترم عبدالرزاق ڈوگر کے جواں سال فرزند اور عزیزی محمد عابد مسعود کے برادرِ اصغر، عبدالواحد ڈوگر ۱۸ مارچ کو ٹریفک کے حادثہ میں رحلت کر گئے۔

حاجی غلام محمد مرحوم:

حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے فدا کار اور مخلص کارکن محترم حاجی غلام محمد صاحب ولد حاجی شیر محمد مرحوم واران، بستی نندے لال، موضع حیدر پور، تحصیل احمد پور شرقیہ، یکم رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ کو رحلت فرما گئے۔ وہ ایک مخلص، ایثار پیشہ اور بے لوث کارکن تھے۔ دوسرے لفظوں میں مجلس احرارِ اسلام کی متاعِ عزیز تھے۔

والدہ ماجدہ نذیر احمد خان:

منشی عبدالرحمن خان مرحوم کی بیوہ اور ادارہ اشاعتِ علومِ اسلامیہ ملتان کے مدیر جناب نذیر احمد خان کی والدہ ماجدہ گزشتہ دنوں ملتان میں رحلت فرما گئیں۔

اراکین ادارہ تمام مرحومین کے لواحقین و پسماندگان سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر عطاء فرمائے (آمین)

قارئین سے درخواست ہے کہ سب مرحومین کی مغفرت کے لئے دعا کریں اور ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں

(ادارہ)

....

☆☆

٦٠

تفسیر عثمانی

ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا

جو جامع لیکن مختصر تفسیر ہے۔ ہمہ گیر مقبولیت کی بنا پر افغانستان کی حکومت نے فارسی ترجمہ شائع کرایا۔ انگلش ترجمہ ہوا۔ برصغیر کے بیسیوں اداروں نے شائع کیا۔ پہلا ایڈیشن جو بجنور (یوپی انڈیا) سے بلاکوں پر شائع ہوا ہم نے اس کو کئی دفعہ شائع کیا۔ دو رنگ طباعت، عمدہ کاغذ

ہدیہ تین صد روپے ○ مشروط رعایتی -/۱۵۰ روپے

بہشتی زیور

مع اضافہ جات فتنہ اعشاری کوڈ نمبر وغیرہ
دین و دنیا کا مکمل نصاب

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

جو ۹۶ برس سے کروڑوں کی تعداد میں چھپا اور اربوں مرد و زن نے اس سے استفادہ کیا اور اسے ہر لڑکی کے جہیز کا ایک لازمی جزو سمجھا جاتا ہے۔ اس سے لیکر عقائد و عبادات کے احکام، نکاح طلاق، بچے کی تربیت، سینا پرونا کھانا اور علاج معالجہ بھی شامل ہے۔ فروری میں بی بی سی نے تبصرہ کیا گھریلو معلومات اور پیش آنے والے مسائل پر لاجواب کتاب۔ مفتی اس سے فتاویٰ دیتے ہیں۔ پاک و ہند کے سب اہم دینی اداروں نے اسے شائع کیا۔

قیمت: تین صد روپے، مشروط رعایتی -/۱۵۰ روپے

بیس بڑے مسلمان

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ — مولانا محمد قاسم نانوتویؒ — مولانا رشید احمد گنگوہیؒ — شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ — مولانا اشرف علی تھانویؒ
سید محمد انور شاہ کشمیریؒ — مولانا عبید اللہ سندھیؒ — مفتی کفایت اللہ دہلویؒ — مولانا سید حسین احمد مدنیؒ — علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
مولانا محمد الیاس دہلویؒ — مولانا شیخ عبد القادر رائے پوریؒ — مولانا احمد علی لاہوریؒ — مفتی محمد حسن امرتسریؒ — مولانا ابوالکلام آزاد
مولانا محمد علی جوہر — مولانا سید محمد سلیمان ندویؒ — مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ — مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ — احمد خان

ایک ایسی کتاب جو پاک و ہند اور دنیا میں تاریخی دستاویز بن چکی ہے۔ ملک میں اکثر دینی تبلیغی کتب میں یہ حوالے کی کتاب کا کام دیتی ہے۔ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد کی کتاب برصغیر پاک و ہند میں علماء کا کردار میں بیسیوں جگہ اس کے حوالے ہیں کئی سو افراد پڑھ کر صحیح راستے پر آئے جس کو امیر المومنین شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے بعد از عصر مجالس میں سنا۔ حضرت درخواستی، حضرت مفتی محمودؒ اور حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے اسے ہر گھر میں رکھنے اور پڑھنے کی تلقین کی۔ ○ آٹھواں ایڈیشن صفحات ۱۰۵۶ ○ قیمت تین صد روپے ○ مشروط رعایتی -/۱۵۰ روپے

بیس مردانِ حق

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ — مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ — مولانا تاج محمود امروٹیؒ — مولانا غلام محمد دین پوریؒ — حکیم محمد اجمل خان
مولانا محمد زکریاؒ — مولانا قاری محمد طیبؒ — مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ — مولانا محمد عبد اللہ درخواستیؒ — مولانا مفتی محمد شفیعؒ
مولانا خیر محمد جالندھریؒ — مولانا سید محمد بدر عالمؒ — مولانا غلام غوث ہزارویؒ — مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ — مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
مولانا محمد علی جالندھریؒ — مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ — مفتی محمودؒ — مولانا عبد الحق اکوڑویؒ — مولانا غلام اللہ خانؒ

جو انشاء اللہ بیس بڑے مسلمان کی طرح تاریخی دستاویز ہوگی۔ زیر ترتیب کتاب بیس حضرات کے ضمن میں ایک سو کے قریب علماء کرام، مشائخ عظام، بانیان دینی مدارس اور دینی و سیاسی شخصیات پر مشتمل ہوگی۔ آدھی کمپوز ہو چکی ہے بقیہ ہو رہی ہے۔

قیمت تین صد روپے ○ مشروط رعایتی -/۱۵۰ روپے

یہ دونوں کتابیں الحمد للہ برصغیر کی سیاسی، دینی، تاریخی، ملی تاریخ کے حوالے سے مستند ترین ماخذ ہوں گی۔

حیاتِ مستعار

ماہنامہ الرشید کے مدیر، تذکرہ مولانا محمد یوسف دہلویؒ، بیس بڑے مسلمان و بیس مردان حق کے مرتب عبد الرشید ارشد کے پچپن برس سے زائد عرصے پر محیط مشاہدات، محسوسات، واردات، مسموعات، تجربات اور دینی و سیاسی رہنماؤں سے ملاقات و تاثرات، سفر حج، انڈیا، برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، ملائشیا، سعودی عرب اور اپنے ملک کے سیاسی حالات پر مشتمل ○ صفحات: ایک ہزار ○ قیمت: دو صد ○ مشروط رعایتی -/۱۰۰ روپے

ملک کا منفرد و یگانہ ماہنامہ **الرشید** لاہور جو چوبیس سال سے جاری و ساری ہے اور اپنے ضخیم ترین نمبروں دار العلوم دیوبند نمبر، مدنی و اقبال نمبر، تاریخ دار العلوم نمبر، دعوت و تبلیغ نمبر اور چار سال قبل ضخیم ترین اور خوبصورت ترین **نعت نمبر** جو آرٹ پیپر پر چار رنگ میں ۱۴۰۰ صفحات پر مشتمل دو جلدوں میں بے نظیر و بے مثال ہے جو آج تک کے نمبروں سے خوبصورت، جامع اور اتنا دلکش ہے کہ کتب کی تاریخ کا تاج محل ہے۔ یہ الرشید کا ماضی ہے۔ الرشید کا سالانہ چندہ آئندہ سے بوجہ گرانی کاغذ ڈیڑھ صد ہوگا۔ اس کا سالانہ خریدار بننے پر مندرجہ بالا کتب میں مزید سہولت کہ سات صد روپے کا بھی نصف ساڑھے تین صد روپے ہوگی۔ سالانہ چندہ الرشید -/۱۵۰ کل پانچ صد روپے پیشگی بھیجنے پر تفسیر عثمانی، بہشتی زیور، بیس بڑے مسلمان انشاء اللہ محرم میں مع تینوں کی بقایا قیمت وی پی یا اطلاع پر یا منی آرڈر آنے پر رجسٹری یا کسی اور صورت میں کہ جلد خراب ہو روانہ خدمت کر دی جائیں گی اور بقیہ دونوں انشاء اللہ (بیس مردان حق، حیات مستعار) جولائی [illegible] تک روانہ خدمت ہوں گی۔ گرانی کے اس دور میں اس رعایت سے فائدہ اٹھائیے۔ یہ پانچ صد روپے (رعایتی قیمت کا نصف) ذوالحجہ کے آخر تک آ جانا چاہیے [illegible] ہوگی۔ انشاء اللہ پانچوں کتابیں آپ کے لیے آپ کی اولاد کیلئے بہترین مربی اور عمدہ کتب خانہ بنیں گی اگر اللہ کے فضل سے ان میں سے کوئی کتاب آپ کے پاس ہے تو کسی عزیز یا دوست کو اس کتاب میں شریک کیجئے تاکہ آپ کی وجہ سے وہ عزیز اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکے لیکن پانچوں کتب کا آرڈر ایک ہی فرد کی جانب سے بشرط دو شمول خریداری الرشید سالانہ ہونا چاہیے۔

نوٹ: نعت نمبر کے نئے ایڈیشن کا ہدیہ دو ہزار رعایتی پندرہ صد ہے۔ اس میں اٹھارہ صد کے قریب نعتیں بطور تقریباً دو لاکھ دفعہ صلوٰۃ و سلام آیا ہے گویا دو لاکھ صلوٰۃ و سلام کا تعویذ ہے جو آپ کے گھر میں ہوگا۔ اس کی برکت کا کیا کہنا۔ اس کے ایک صفحہ کے نیچے عربی کے نعتیہ شعر [illegible] کے نیچے خریدار کا نام ہوگا۔ اس کی تفصیل کیلئے جوابی لفافہ لکھیے۔

پانچوں کتب کی کل قیمت -/1400 روپے
مشروط رعایتی قیمت -/700 روپے

[illegible] -/500 روپے
[illegible] -/350 روپے
[illegible] -/150 روپے
[illegible] -/350 روپے

مراسلت اور ترسیل زر کا پتہ، **حماد ارشد** ناظم نشر و اشاعت ماہنامہ **الرشید** ۲۵۔ لوئر مال لاہور فون ۷۱۱۱۸۹۹

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ کی چند اہم مطبوعات

بیرون بوہڑ گیٹ - ملتان فون: 40501

عام فہم اردو تفسیر — پاکستان میں پہلی بار

حل القرآن

بامحاورہ ترجمہ: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح

تفسیر: حضرت مولانا علامہ حبیب احمد کیرانوی رح

عنوانات: مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مرتب فتاوی دار العلوم دیوبند

یہ تفسیر حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رح کی نظر میں

میں نے اس تفسیر کو شروع سے ختم تک حرفاً حرفاً دیکھا ہے جو خصوصیات میرے ذہن میں ہیں ان کو لکھتا ہوں۔

١۔ ترجمہ سلیس و شگفتہ ہے جس میں لغت و محاورہ دونوں کی کافی رعایت ہے۔

٢۔ تفسیر اتنی مختصر ہے کہ مقصود میں مخل ہو نہ ایسی طویل کہ ناظرین کے لیے ممل (اکتا دینے والی)۔

٣۔ تفسیر کی تقریر ایسے انداز سے کی گئی ہے کہ اس سے اجزاءِ قرآنیہ میں نہایت لطیف ارتباط بھی ظاہر ہو گیا ہے۔

٤۔ بعض جگہ میرے حواشی بھی ملیں گے جن میں بعض حواشی سے میرا جوشِ وجد ظاہر ہو گا جو غایتِ استحسان سے ناشی ہوا۔ (خلاصہ تقریظ)

کامل دو جلد قیمت ۵٢۵/- روپے

نسیم الریاض (عربی)

مع حاشیہ شرح الشفاء لملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

کامل چار جلد کلاں خوبصورت مصری ٹائپ } پاکستان میں پہلی بار طبع ہو چکی ہے قیمت: ١٢٠٠/- روپے

تفسیر انوار البیان

از: مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں قیمت فی جلد ٢٤٠/- روپے

ملفوظات حکیم الامت

کامل دس جلد قیمت ٩٢٠/- روپے

اشرف السوانح

حضرت تھانوی رح کی مکمل سوانح حیات

کامل سیٹ ٣ جلد قیمت ۵۵٠/- روپے

کلید مثنوی

مولانا روم رح کی مثنوی مستند اردو شرح! از حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کامل ٢٤ حصے قیمت کامل سیٹ ٩٩۵/- روپے

تحفۃ العلماء

از حضرت تھانوی رح

دینی مدارس اور مدرسین و متعلمین کے لیے بہت اہم کتاب

کامل دو جلد قیمت ٣٢٠/- روپے

اشرف الجواب

کامل تین حصے قیمت ١٦۵/- روپے

تسہیل المواعظ

حضرت تھانوی رح کے باون خطبات کا مجموعہ

کامل دو جلد قیمت ٣١۵/- روپے

بہشتی زیور

(بہترین ایڈیشن) مکمل و مدلل جدید حاشیہ کے ساتھ۔ اعلیٰ کاغذ خوبصورت جلد (ڈبے کی پیکنگ میں)

قیمت: ٣٠٠/- روپے

اصلاح خواتین

از حضرت تھانوی رح قیمت ١٦۵/- روپے

اصلاحی نصاب

از حضرت تھانوی رح قیمت ١٤٢/- روپے

امثال عبرت

از حضرت تھانوی رح قیمت ١٤٢/- روپے

دینی دسترخوان

{جدید اسلامی انسائیکلوپیڈیا}

کامل ٢ جلد قیمت ۵۵۵/- روپے

ہماری عربی مطبوعات

اوجز المسالک شرح موطا امام مالک رح

کامل ١۵ جلد قیمت ٣٠٠٠/- روپے

السنن الکبریٰ

(بیہقی)

کامل ١٠ جلد قیمت ١٩٩۵/- روپے

تفسیر البغوی

(معالم التنزیل)

کامل ٦ جلد قیمت ٩٩٩/- روپے

خطبات حکیم الامت رح

٢۵ جلدوں میں

تقریباً پندرہ ہزار صفحات

قیمت کامل سیٹ ٣٩٠٠/-

١۔ دنیا و آخرت

٢۔ علم و عمل ٣۔ دین و دنیا

٤۔ حقوق و فرائض

۵۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

٦۔ نظام شریعت

٧۔ حقیقت عبادت

٨۔ حقیقت مال و جاہ

٩۔ فضائل صبر و شکر

١٠۔ فضائل صوم و صلوٰۃ

١١۔ حقیقت تصوف و تقویٰ

١٢۔ محاسن اسلام

١٣۔ دعوت و تبلیغ

١٤۔ جزا و سزا ١۵۔ تسلیم و رضا

١٦۔ برکات رمضان

١٧۔ سنت ابراہیم ١٨۔ مفاسد گناہ

١٩۔ آداب انسانیت

٢٠۔ حقوق الزوجین

٢١۔ تدبیر و توکل ٢٢۔ ذکر و فکر

٢٣۔ راہ نجات

٢٤۔ موت و حیات

٢۵۔ حدود و قیود

نوٹ: اس فہرست کی مکمل کتب خریدنے پر خصوصی چالیس فی صد رعایت دی جائے گی۔ مکمل فہرست مفت طلب کریں۔

وفاق المدارس الاحرار پاکستان کے تحت قائم دینی ادارے

مجلس احرار اسلام، دینی انقلاب کی داعی جماعت ہے۔ یہ انقلاب دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کئے بغیر ممکن نہیں۔ اکابر احرار نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ یہ کام دینی مدارس میں ہی باحسن انجام دیا جاسکتا ہے۔ نئی نسل کی ذھن سازی اور تربیت کے لئے ان مدارس میں ایسا ماحول پیدا کیا جائے جو دینی انقلاب کی منزل کو قریب تر کر دے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے شعبۂ تبلیغ کے ساتھ ساتھ شعبۂ تعلیم بھی سرگرم عمل ہے اور درج ذیل مدارس تعلیم و تدریس میں مصروف ہیں۔

۱	مدرسہ ختم نبوت	مسجد احرار	ربوہ ضلع جھنگ فون: 211523
۲	بخاری پبلک سکول	"	"
۳	مدرسہ معمورہ	جامع مسجد ختم نبوت	دار بنی ہاشم، ملتان فون: 511961
۴	مدرسہ معمورہ	مسجد نور	تغلق روڈ، ملتان
۵	مدرسہ محمودیہ	مسجد المعمور	ناگڑیاں، گجرات
۶	دارالعلوم ختم نبوت	جامع مسجد چیچاوطنی	فون: 2112
۷	احرار ختم نبوت مرکز	مسجد عثمانیہ	چیچاوطنی
۸	مدرسہ ختم نبوت	مسجد ختم نبوت	شہزاد کالونی صادق آباد
۹	مدرسہ ختم نبوت	مسجد ختم نبوت	نواں چوک، گڑھا موڑ
۱۰	مدرسۃ العلوم الاسلامیہ	جامع مسجد	گڑھا موڑ (وہاڑی) فون: 13
۱۱	مدرسہ ابوبکر صدیق	جامع مسجد ابوبکر صدیق	تلہ گنگ (چکوال)
۱۲	بستان عائشہ (برائے طالبات)		دار بنی ہاشم، ملتان فون: 511356
۱۳	مدرسۃ البنات (برائے طالبات)		گڑھا موڑ
۱۴	سادات اکیڈمی (برائے طلباء)		دار بنی ہاشم، ملتان
۱۵	مدرسہ احرار اسلام		بستی شام دین (قائم پور)
۱۶	مدرسہ احرار اسلام رحیمیہ		بستی گودڑی (حاصل پور)
۱۷	مدرسہ احرار اسلام		مسجد سیدنا علی المرتضیٰ، چکڑالہ، ضلع میانوالی
۱۸	مدرسہ و مسجد معاویہ	جھنگ روڈ	ٹوبہ ٹیک سنگھ

ان میں سے بعض مدارس اپنے اخراجات کے سلسلہ میں خود کفیل ہیں اور جماعت کی سرپرستی میں ہی کام کر رہے ہیں۔ جن مدارس کا کفیل مرکز ہے ان میں بامشاہرہ تعلیم و تدریس اور دیگر امور سرانجام دینے والے افراد کی کل تعداد ۲۰ ہے۔ ان مدارس کے اخراجات کا سالانہ بجٹ دس لاکھ روپے ہے۔ مستقبل کے تعلیمی، تنظیمی اور تعمیری منصوبوں کی تکمیل پر تقریباً تیس لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔ اس وقت لڑکیوں کے مدرسہ "بستانِ عائشہ" میں درسگاہوں کے لئے دو کمرے زیر تعمیر ہیں۔ اس فوری منصوبہ کی تکمیل کے لئے تعاون آپ کریں، دعاء اور کام ہم کریں گے۔ اجر اللہ پاک دیں گے۔

ترسیل زر کے لیے: ابن امیر شریعت، سید عطاء المحسن بخاری، دار بنی ہاشم۔ مہربان کالونی ملتان۔
اکاؤنٹ نمبر 29932 حبیب بینک حسین آگاہی ملتان۔

محاسبہ مرزائیت ورافضیت کی جدوجہد میں
ہمارا ساتھ دیجئے

چرمِ قربانی

یا ان کی قیمت

مجلسِ احرار اسلام کے شعبہ تبلیغ
تحریکِ تحفظ ختم نبوت کو دیجئے

منجانب: مجلس احرار اسلام پاکستان
دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان - فون: 511961

"ہے کوئی اِس جیسا شربت تو بتائیں؟"
قرشی
جامِ شیریں
" خالص قدرتی اجزاء کے عرقیات سے
تیار۔ پانی میں فوراً حل ہو جاتا ہے اور
طبیعت میں بھاری پن نہیں لاتا۔
اور ہاں ... اس میں عرقِ صندل بھی
شامل ہے جو گرمی میں ٹھنڈک
پہنچاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ
کہ اس کا مزہ مجھے کیا سارے گھر کو
بے حد پسند ہے! "
شربت
جامِ شیریں
100 فیصد خالص 100 فیصد تسکین

MPL

Kinza

SQUASHES (1 Litre)
KETCHUP (1 Litre)
VINEGARS (1 Litre)

"Sharing the taste"

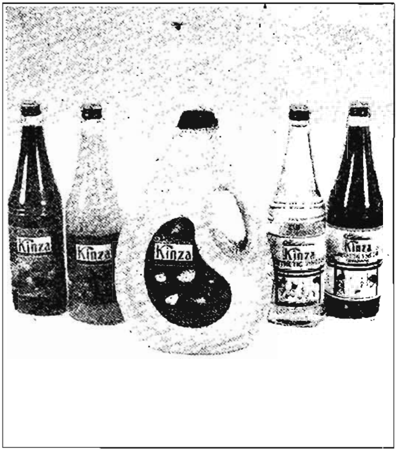

Quality and Economy Guaranteed

wily FOODS (PVT) LTD.
Chand Plaza, off lane 6, Peshawar Road, Rawalpindi Cantt
Phone: 862076

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان کا

تاریخ ساز

امیرِ شریعت نمبر

(حصہ دوئم)

شائع ہو گیا ہے۔

- اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب کے سوانح و افکار
- ایک تاریخ ✿ ایک دستاویز ✿ ایک داستان ✿ خاندانی حالات
- سیرت کے مجلا اوراق ✿ خطابتی معرکے ✿ سیاسی تذکرے ✿ بزم سے لیکر رزم منبر و محراب سے لیکر دار ورسن تک

نصف صدی کے ہنگاموں، جہادی معرکوں، تہذیبی محاربوں، مذہبی سازشوں اور علمی محاذ آرائیوں کی فضا میں ایک آواز ھدایت جو بصیرت، حریت اور بغاوت کا سرچشمہ تھی۔

- خوبصورت سہ رنگا سرورق 576 صفحات
- قیمت 300 روپے

مستقل سالانہ خریداروں کے لئے خاص رعایت

صرف 200 روپے پیشگی منی آرڈر بھیج کر نمبر حاصل کریں۔

ترسیل زر کے لئے: سید محمد کفیل بخاری

مدیر مسؤل، ماہنامہ نقیب ختمِ نبوت، دارِ بنی ھاشم مہربان کالونی ملتان۔ فون: ۵۱۱۹۶۱